ماهنامہ انصار اللہ ربوہ

اپریل ۱۹۹۸ء

(ایڈیٹر)
نصر اللہ خاں ناصر

حقیقی خدادانی!

"حقیقی خدادانی تمام اسی میں منحصر ہے کہ اس زندہ خدا تک رسائی ہو جائے کہ جو اپنے مقرب انسانوں سے نہایت صفائی سے ہمکلام ہوتا ہے اور اپنی پُرشوکت اور لذیذ کلام سے اُن کو تسلّی اور سکینت بخشتا ہے اور جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بولتا ہے ایسا ہی یقینی طور پر جو بکلّی شک و شُبہ سے پاک ہے اُن سے باتیں کرتا ہے اُن کی بات سُنتا ہے اور اُس کا جواب دیتا ہے اور اُن کی دُعاؤں کو سُن کر دُعا کے قبول کرنے سے اُن کو اطلاع بخشتا ہے اور ایک طرف لذیذ اور پُرشوکت قول سے اور دوسری طرف معجزانہ فعل سے اور اپنے قوی اور زبردست نشانوں سے اُن پر ثابت کر دیتا ہے کہ مَیں ہی خدا ہوں۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۱)

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

شہادت ۱۳۷۷

اپریل سنہ ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خاں ناصر

پبلشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر:۔ قاضی منیر احمد
مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

13/4/98

اس شمارہ میں

• اداریہ ۲ص
• امام الکلام ۴
• کلام الامام ۵
• عربی منظوم کلام ۶
• فارسی منظوم کلام ۷
• حدود اللہ کا قیام
"سیرت النبیؐ" کا ایک ورق ۸
• کیپٹن مانٹیگو ولیم ڈگلس کا تذکرہ ۱۱
• حضرت حافظ مولوی محمد فیض الدین ....سیالکوٹی ۲۱
• سیاح نبی (۲) ۲۸
• سید عبدالرحیم شاہ صاحب ۳۴
• نقد و نظر۔۔۔ "دُختِ کرام" ۳۷
• حفظانِ صحت میں سیر اور ورزش کی اہمیت ۳۹
• کلام حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام ۴۱

جلد نمبر ۳۹
شمارہ نمبر ۴

شرح چندہ

پاکستان ۔۔۔۔ ساٹھ روپے سالانہ
قیمت فی پرچہ ۔۔۔۔ چھ روپے

اداریہ

خوش کلامی

خوش کلامی ایک اعلیٰ درجہ کا وصف ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے قریب تر لاتا ہے اور باہمی محبت و اُلفت کو جنم دیتا ہے۔ خوش کلامی کا ردِّ عمل اگر خوش کلامی ہی ہو تو اس سے معاشرہ اَور بھی خوش منظر نظر آتا ہے۔ تاہم اگر یہ جذبہ یک طرفہ ہو تو بھی یہ جذب وکشش کا موجب ٹھہرتا ہے اور مخاطب کے دل و دماغ سے نفرت و کدورت زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر راہِ محبت استوار ہوتی ہے۔ خوش کلامی یا خوش گفتاری کا عمل جب افراد میں نشو و نما پاتا ہے تو اجتماعیت اور معاشرہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور بالآخر قوم میں اعلیٰ اقدار قائم ہو جاتی ہیں تو یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ خوش کلامی نقطۂ آغاز ہے خوشگوار تعلقات کا۔

ایک مہذّب قوم اور معاشرہ میں خوش کلامی کا وصف اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اچھے اور ہمدردانہ جذبات کا اظہار بھی حُسنِ کلام سے ہی ہوتا ہے اور افرادِ قوم کی عجز و انکساری اور باہمی ہمدردی کی بھی نشاندہی کرتی ہے جبکہ جہاں جذبات میں سختی، غصّہ اور قساوتِ قلبی پائی جائے وہاں غرور اور تکبّر و نخوت کارفرما ہوتے ہیں۔ پھر ایسے گروہ، برادریاں اور قبیلے تفرقہ کا شکار ہو کر ظلم و تشدّد کی ریت اپناتے ہیں خواہ اس کے عوامل کچھ ہوں نتیجتاً امنِ عامہ اُٹھ جاتا ہے اور پھر انتقام کے گھناؤنے سایے دیر تک اس معاشرہ پر منڈلاتے رہتے ہیں۔

زمانۂ رسالتمآبؐ سے قبل جاہلی دَور اور یہودی معاشرت تھی جن کی سخت دِلی اور ظلم و جَور انتہاء پر تھے۔ قرآن کریم کے مطابق تو بنی اسرائیل کو خاص طور پر یہ تعلیم دی گئی تھی کہ "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اچھی بات کہنے میں لوگوں کے فائدہ اور کام کی بات کہنا اور ناصحانہ انداز مراد ہے۔ تاہم نصیحت ہو یا کوئی تحریک و تلقین اس کا آغاز خوش کلامی سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اُسوہ ہے جس کے نتیجہ میں پُر امن معاشرہ قائم ہوا جہاں محبت، ہمدردی اور ایثار کے اوصاف نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اچھی بات سے کلام کا آغاز کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعا کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ بھی تعلیم دی کہ ایک دوسرے کے ساتھ طعن و طنز کا برتاؤ نہ کریں۔ کسی فرد یا

قوم کو ایسے نام سے نہ پکاریں جس سے چڑ پیدا ہو یا انہیں پسند نہ ہو۔ اسی طرح کسی کو حقیر نہ سمجھیں نہ استہزاء اور ٹھٹھہ سے کام لیں جس سے دوسروں کی خفت اور تذلیل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہایت اعلیٰ درجہ کا معاشرہ قائم کیا اس کا امتیاز محبت و اخوت اور ایثار تھا جس کا آغاز باہمی ملاقات کے آداب و اطوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی ملاقات کے وقت تاکید فرمائی کہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دی جائے۔ اب ظاہر ہے جہاں سلامتی کی دعا ہو وہاں نفرت اور کینہ کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ پھر بشاشت اور خوش خلقی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

"لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّ لَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ"

یعنی معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کی ہی نیکی ہو۔ پھر اچھے اور پاک کلام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ"

یعنی دوزخ کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو خواہ کھجور کا ایک آدھ حصہ ہی دینے کی توفیق ہو اور اگر کسی کے پاس کچھ نہیں تو وہ اچھی اور پاکیزہ بات سے کام لے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام نے رفق اور قول حسن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"..... **رفق اور قول حسن** ــــ یہ خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام **طلاقت** یعنی کشادہ روئی ہے۔ بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑھ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خُلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

سلامتی کی دعا، بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملنا اور اچھی بات کہنا، کسی کا حال دریافت کرنا اپنے بھائی کی حوصلہ افزائی ہے اور یہ باتیں خوش کلامی کی ابتداء ہیں اس کے نتیجہ میں قدم اچھے اعمال کی طرف اُٹھتا ہے۔ چہرے پر بشاشت نظر آنا جسے خندہ پیشانی کہتے ہیں قلبی کیفیت کی ترجمان ہے اور اپنے بھائی کے لئے محبت کے جذبات کو ظاہر کرتی ہے پس کلمات طیبات سے گفتگو یا خوش کلامی وہ خشت اوّل ہے جس پر اعمال صالحہ کی عمارت اُبھرتی ہے۔ دور اوّل میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا منظر ایسے ہی حسین اعمال کا ثمر تھا اور اب نشأۃ ثانیہ کے اس دور میں اس حسین معاشرہ کی تشکیل اسی ذریعہ سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نشأۃ ثانیہ کا یہ دور سَلَامًا سَلَامًا کا نظارہ پیش کرے۔ آمین

امام الکلام

کامل معرفت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

"جو لوگ سچّے دل سے خدا کے طالب ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ خدا کی معرفت خدا کے ذریعہ سے ہی میسّر آ سکتی ہے اور خدا کو خدا کے ساتھ ہی شناخت کر سکتے ہیں اور خدا اپنی حجّت آپ ہی پوری کر سکتا ہے انسان کے اختیار میں نہیں اور انسان کبھی کسی حیلہ سے گناہ سے بیزار ہو کر اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ معرفت کاملہ حاصل نہ ہو اور اس جگہ کوئی کفارہ مفید نہیں اور کوئی طریق ایسا نہیں جو گناہ سے پاک کر سکے بجز اُس کامل معرفت کے جو کامل محبّت اور کامل خوف کو پیدا کرتی ہے اور کامل محبّت اور کامل خوف یہی دونوں چیزیں ہیں جو گناہ سے روکتی ہیں کیونکہ محبّت اور خوف کی آگ جب بھڑکتی ہے تو گناہ کے خس و خاشاک کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور یہ پاک آگ اور گناہ کی گندی آگ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ غرض انسان نہ بدی سے رُک سکتا ہے اور نہ محبّت میں ترقی کر سکتا ہے جب تک کہ کامل معرفت اُس کو نصیب نہ ہو اور کامل معرفت نہیں ملتی جب تک کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے زندہ برکات اور معجزات نہ دیئے جائیں۔ یہی ایک ایسا ذریعہ سچّے مذہب کی شناخت کا ہے جو تمام مخالفوں کا مُنہ بند کر دیتا ہے اور ایسا مذہب جو مذکورہ بالا دونوں قسم کے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے یعنی ایسا مذہب کہ تعلیم اُس کی ہر ایک پہلو سے کامل ہے جس میں کوئی فروگذاشت نہیں اور نیز یہ کہ خدا نشانوں اور معجزات کے ذریعہ سے اس کی سچّائی کی گواہی دیتا ہے اُس مذہب کو وہی شخص چھوڑتا ہے جو خدا تعالیٰ کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتا اور روزِ آخرت پر چند روزہ زندگی اور قوم کے جُھوٹے تعلقات کو مقدم کر لیتا ہے۔ وہ خدا جو آج بھی ایسا ہی قادر ہے جیسا کہ آج سے دس ہزار برس پہلے قادر تھا۔ اُس پر اسی صورت سے ایمان حاصل ہو سکتا ہے کہ اُس کی تازہ برکات اور تازہ معجزات اور قدرت کے تازہ کاموں پر علم حاصل ہو ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وہ خدا نہیں ہے جو پہلے تھا یا اُس میں وہ طاقتیں اب موجود نہیں ہیں جو پہلے تھیں اِس لئے اِن لوگوں کا ایمان کچھ بھی چیز نہیں جو خدا کے تازہ برکات اور تازہ معجزات کے دیکھنے سے محروم ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اُس کی طاقتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۸۶،۸۷)

کلام الامام

عبادت سے مُراد ــــ کامل فرمانبرداری

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... فرماتے ہیں :-

"اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں جس عبادت کا ذکر ہے وہ اَور قسم کی عبادت ہے۔ اور عبادت صرف سجدہ اور رکوع نہیں ہے۔ کیونکہ اگر محض سجدہ کر لینا یا رکوع کرنا ہی عبادت ہوتی تو یہ کون سی مشکل تھی۔ بہت لوگ کہیں گے پہلے خدا کے آگے سجدہ کر لو کسی اَور کے آگے نہ جُھکے خدا ہی کے آگے جُھک گئے۔ اس میں کیا حرج ہے اس میں تو کم محنت پڑتی ہے کیونکہ اَور دس کے آگے جُھکنے کی نسبت ایک خدا کے آگے جُھکنا آسان ہے۔ اس میں کم محنت ہو گی اور کون نہیں چاہتا کہ کم محنت اُٹھائے مگر بات یہ ہے کہ صرف خدا کے آگے جُھکنا عبادت نہیں۔ گو خالص عبادت اسی کے لئے کی جائے نماز روزہ اسی کے لئے ہو..... پس عبادت سے مراد محض نماز روزہ نہیں بلکہ اس سے مراد کامل فرمانبرداری ہے۔ کامل انقطاع اور کامل تذلّل ہے۔ اس طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف ظاہری عبادت خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کو عبادت میں سے نکال نہیں سکتے کیونکہ یہ بھی عبادت ہے مگر صرف ان ظاہری اعمال کو عبادت نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کے یہ احکام مانتے ہیں اسی طرح دوسروں کے احکام بھی مانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کسی کا ملازم ہوتا ہے تو اس کے احکام مانتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نسبت اس کے احکام کی تعمیل میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے اس وجہ سے اس طرح کی عبادت صرف خدا کے لئے نہ ہوئی۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا طریق ہے کہ انسان دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہؤا بھی خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہے اور جس میں امکان ہو کہ اس کا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ سوائے قلبی، ذہنی اور فکری عبادت کے اَور کوئی عبادت ایسی نہیں ہو سکتی جو صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، زبان اَور کاموں میں مصروف ہوں مگر وہ اپنے دل کو محض اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھے۔ جیسے صوفیاء نے کہا ہے

دست در کار دِل بایار

انسان دُنیا کے کام کرے وہ بھی ایک رنگ میں عبادت ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنی بیوی کو ایک لقمہ دیتا ہے یہ بھی اس کی عبادت ہے۔ اگر وہ اِس نیّت سے دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ مَیں بیوی کو کھانے کے لئے دوں پس اگر ایک انسان اپنی نیّت درست کر لیتا ہے اور اگر اپنے تمام کاموں میں جڑھ یہی قرار دے لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس کا ہر کام عبادت کہلا سکتا ہے۔ اگر وہ روزی اِس لئے کماتا ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ خود کماؤ دوسروں پر بار نہ بنو۔ خدا کا حکم ہے کہ اپنی زندگی لغو نہ گذارو۔ خدا کا حکم ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ خدا کا حکم ہے کہ بیوی بچّوں کی ضروریات مہیّا کرو۔ اس نیّت سے اگر وہ ظاہری کام کرتا ہے تو وہ خدا کی عبادت میں لگا ہو گا پس معلوم ہؤا کہ حقیقی عبادت قلب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔"

(خطباتِ جمعہ جلد ۱۰ صفحہ ۸۲، ۸۳)

عربی منظوم کلام

وَلَهُ التَّفَرُّدُ فِي الْمَحَامِدِ كُلِّهَا

اس کو تمام محامد میں یکتائی حاصل ہے

إِنِّي أَرَى فَضْلَ الْكَرِيْمِ أَحَاطَنِي فِي النَّشْأَةِ الْأُخْرَى وَ فِي الْإِبْدَاءِ

میں دیکھتا ہوں کہ خدائے کریم کے فضلوں نے مجھے اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ نشأۃ ثانیہ میں بھی اور نشأۃ اولیٰ میں بھی

اَللّٰهُ أَعْطَانِي حَدَائِقَ عِلْمِهِ لَوْلَا الْعِنَايَةُ كُنْتُ كَالسُّفَهَاءِ

اللہ نے مجھے اپنے علم کے باغات عطا کئے ہیں اگر یہ عنایت نہ ہوتی تو میں نادانوں کی طرح ہوتا

وَقَدِ اقْتَضَتْ زَفَرَاتُ مَرْضَى مَقْدَمِي فَحَضَرْتُ حَمَّالًا كُئُوْسَ شِفَاءِ

مریضوں کی آہوں نے میرے آنے کا تقاضا کیا ہے پس میں شفا کے جام اُٹھا کر حاضر ہُوا ہوں

اَللّٰهُ خَلَّاقِيْ وَمُهْجَةُ مُهْجَتِيْ حِبٌّ فَدَتْهُ النَّفْسُ كُلَّ فِدَاءِ

اللہ ہی میرا خالق اور میری جان کی جان ہے وہ ایسا محبوب ہے کہ میری رُوح اس پر تمام تر فدا ہے

وَلَهُ التَّفَرُّدُ فِي الْمَحَامِدِ كُلِّهَا وَلَهُ عَلَاءٌ فَوْقَ كُلِّ عَلَاءِ

اس کو تمام قابلِ تعریف صفات میں یکتائی حاصل ہے تو اسی کو برتری حاصل ہے تمام بلندیوں پر

فَانْهَضْ لَهُ إِنْ كُنْتَ تَعْرِفُ قَدْرَهُ وَاسْبِقْ بِبَذْلِ النَّفْسِ وَالْإِعْدَاءِ

اگر تُو اس کی قدر پہچانتا ہے تو تُو اس کی خاطر اُٹھ کھڑا ہو اور اپنی جان کو فدا کرکے اور تیز دوڑ کر آگے بڑھ

غَلَبَتْ عَلَى قَلْبِيْ مَحَبَّةُ وَجْهِهِ حَتّٰى رَمَيْتُ النَّفْسَ بِالْإِلْغَاءِ

میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آگئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اسکی خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا

فارسی منظوم کلام

جانِ جانِ ماست آں جانانِ ما

وہ ہمارا معشوق ہماری جانوں کی جان ہے

جاں فدائے آنکہ اُو جاں آفرید　　دل نثارِ آنکہ زو شد دل پدید

جان اُس پر قربان ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا۔ دِل اُس پر نثار ہے جس نے دل کو بنایا

جاں ازو پیداست زیں مے جویدش　　رَبُّنَا اللہ۔ رَبُّنَا اللہ گویدش

جان چونکہ اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اِس لئے اُسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے تُو ہی میرا رب ہے، تُو ہی میرا رب ہے

گر وجودِ جاں نبودے زو عیاں　　کے شُدی مہرِ جمالش نقشِ جاں

اگر جان کا وجود اس کی طرف سے نہ ہوتا تو اُس کے حُسن کی محبّت جان پر کِس طرح نقش ہوتی

جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں　　زیں دَوَد دل سُوئے اُو چوں عاشقاں

جسم اور جان کو اُسی یکتا نے پیدا کیا ہے اِسی لئے عاشقوں کی طرح دل اُس کی طرف دوڑتا ہے

اُو نمک ہا ریخت اندر جانِ ما　　جانِ جانِ ماست آں جانانِ ما

چونکہ اُس نے ہماری رُوحوں پر محبّت کا نمک چھڑکا ہے اِس لئے وہ ہمارا معشوق ہماری جانوں کی جان ہے

ہر وجودے نقشِ ہستی زو گرفت　　جانِ عاشق رنگِ مستی زو گرفت

ہر وجود نے اُسی سے اپنی ہستی کا نقش حاصل کیا ہے اور عاشق کی جان نے بھی مستی کا رنگ اُسی سے لیا ہے

ہر کہ نزدش خود بخود جانے بود　　اُو نہ دانا سخت نادانے بود

جس شخص کے نزدیک رُوح خود بخود پیدا ہو گئی ہے وہ شخص دانا نہیں بلکہ سخت بے وقوف ہے

(ست بچن۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۳)

اسوہ حسنہ

حدود اللہ کا قیام

"سیرت النبیؐ" کا ایک ورق

(از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی........)

"انسان فطرتاً کسی کی مصیبت کو دیکھ کر رحم کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ جب کسی مجرم کو سزا ملتی دیکھتے ہیں تو باوجود اس علم کے کہ اس سے سخت جرائم سرزد ہوئے ہیں ان کے دل کو دکھ پہنچتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اب اس شخص سے جرم تو ہو ہی گیا ہے اور یہ تائب بھی ہے اسے چھوڑ دیا جائے تو اچھا ہے لیکن یہ ایک کمزوری ہے اگر اس سے متاثر ہو کر مجرموں کو چھوڑ دیا جائے تو گناہ اور جرائم بہت ہی بڑھ جائیں۔ فطرت رحم کے علاوہ جب کسی بڑے آدمی سے جرم ہو تو لوگ عام طور پر نہیں پسند کرتے کہ اسے سزا ملے اور اس کی بڑائی سے متاثر ہو کر چاہتے ہیں کہ اسے کسی طرح چھوڑ دیا جائے بلکہ بڑے دولتمند یا کوئی دنیاوی وجاہت رکھنے والے آدمی تو روپیہ اور اثر خرچ کر کے ایک ایسی جماعت اپنے ساتھ کر لیتے ہیں کہ جو مشکلات کے وقت ان کا ساتھ دیتی ہے اور باوجود قانون کی خلاف ورزی کے اپنے جتھے کی مدد سے جرائم کے اثر سے بچ جاتے ہیں۔

........ان قوموں میں جن کے اخلاق گر جاتے ہیں اور جن کے افراد میں طرح طرح کی بدیاں آجاتی ہیں ان میں خصوصاً یہ رواج عام ہو جاتا ہے کہ بڑے لوگ قانون کے خلاف عمل کر کے بھی بچ جاتے ہیں اور صرف غرباء ہی سزا پاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے سخت مخالف تھے اور آپ کا جو معاملہ خدا کے ساتھ تھا اور جس طرح آپؐ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہتے تھے اس کے لحاظ سے آپؐ کبھی پسند نہ کرتے تھے کہ احکام شریعت سے امراء کو مستثنیٰ کر کے غرباء ہی کو اس کا مکلف سمجھا جائے بلکہ آپؐ باوجود ایک رحیم دل اور ہمدرد طبیعت رکھنے کے ہمیشہ احکام شریعت کے جاری کرنے میں محتاط رہتے اور مجرمین کو سزا سے بچنے نہ دیتے اور جس طرح آپؐ غرباء کو سزا دیتے امراء بھی اسی طرح احکام شریعت کے ماتحت جکڑے جاتے اور اس معاملہ میں آپؐ بڑے غیور تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:۔

"اَنَّ اِمْرَاَۃً مِّنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ یُّکَلِّمُ فِیْھَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ فَلَمْ يَجْتَرِئ اَحَدٌ اَنْ يُّكَلِّمَهُ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَقَالَ اِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ الضَّعِيْفُ قَطَعُوْهُ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"۔

(بخاری کتاب المناقب باب ذکر اسامہ بن زید)

بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اس پر لوگوں نے چاہا کہ کون ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے معاملہ میں سفارش کرے لیکن کسی نے اس کی جرات نہ کی کیونکہ رسول کریمؐ حدود کے قائم کرنے میں بڑے سخت تھے آخر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول کریمؐ سے ذکر کیا مگر آپؐ نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے مگر جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس کا ہاتھ قطع کر دیتے۔ مگر میرا یہ حال ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔

اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا خدا سے کیا تعلق تھا اور واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں خلیفہ تھے کیونکہ خلیفہ اسی کو کہتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے احکام کو دنیا میں جاری کرے اور یہ رسول کریمؐ ہی تھے کہ جو بغیر کسی کے خوف ملامت کے حدود اللہ کا قیام کرتے اور کسی کی رعایت نہ کرتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تعلقات اللہ تعالیٰ سے تھے اور جس طرح آپؐ نے خدا سے معاملہ صاف رکھا ہوا تھا اس پر یہ بات بھی روشنی ڈالتی ہے کہ آپ اپنے تمام کاموں میں پہلے یہ دیکھ لیتے کہ خدا تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ ہوتا آپؐ کسی کام کے کرنے پر دلیری نہ کرتے۔ چنانچہ مکہ سے باوجود ہزاروں قسم کی تکالیف کے آپؐ نے ہجرت نہیں کی ہاں صحابہؓ کو حکم دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو ہجرت کر جائیں اور لوگوں کی شرارت کو دیکھ کر صحابہؓ کو ہجرت کرنی بھی پڑی اور بہت سے صحابہؓ حبشہ کو اور کچھ مدینہ کو ہجرت کر گئے اور صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ اور رسول کریمؐ یا اور چند صحابہؓ مکہ میں رہ گئے۔

کفار مکہ کو دوسرے لوگوں کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فطرتاً زیادہ بغض و عداوت تھی کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ آپؐ ہی کی تعلیم کی وجہ سے لوگوں میں شرک کی مخالفت پھیلتی جاتی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ آپ کو قتل کر دیں تو باقی جماعت خود بخود پراگندہ ہو جائے گی اس لئے بہ نسبت دوسروں کے وہ آنحضرتؐ کو زیادہ دکھ دیتے اور چاہتے کہ کسی طرح آپؐ اپنے دعاوی سے باز آجائیں ان مشکلات کے آپؐ نے صحابہؓ کو تو ہجرت کا حکم دے دیا مگر خود ان دکھوں اور تکلیفوں کے باوجود مکہ سے ہجرت نہ کی کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی اذن نہ ہوا تھا۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ میں ہجرت کر جاؤں تو آپؐ نے جواب دیا علی رسلک فانی ارجوان یوذن لی آپ ابھی ٹھہریں امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے۔

اللہ اللہ کیا پاک انسان تھا۔ دکھ پر دکھ تکالیف پر تکالیف پہنچ رہی ہیں سب ساتھیوں کو حکم دے دیتا ہے کہ جاؤ جس جگہ

امن ہو چلے جاؤ لیکن خود اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور باوجود مخالفت کے اس بات کا منتظر ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آئے تو میں اس پر کار بند ہوں۔ کیا کسی انسان میں یہ ہمت ہے کیا کوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف ایسا متوجہ ہو کہ ایسے خطرناک مصائب کے اوقات میں بھی دشمنوں کی مخالفت کو برداشت کرتا جائے اور جب تک خدا کا حکم نہ ہو اپنی جگہ نہ چھوڑے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ واقعہ میں آپ اس وقت تک مکہ سے نہیں نکلے جب تک کہ خدا کی طرف سے حکم نہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"فَبَيْنَمَا نَحْنُ يَوْمًا جُلُوْسٌ فِيْ بَيْتِ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِيْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَنِّعًا فِيْ سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ يَاْتِيْنَا فِيْهَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ فِدَاءٌ لَّهٗ اَبِيْ وَاُمِّيْ وَاللّٰهِ مَا جَاءَ بِهٖ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا اَمْرٌ قَالَتْ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ فَدَخَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّمَا هُمْ اَهْلُكَ بِاَبِيْ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ قَدْ اُذِنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ الصَّحَابَةُ بِاَبِيْ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ"

(بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ الی المدینہ)

ہم ایک دن بیٹھے تھے کہ عین دوپہر کے وقت رسول کریمؐ تشریف لائے اور سر لپیٹا ہوا تھا۔ آپ اس وقت کبھی نہیں آیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ اس وقت کسی بڑے کام کے لئے آئے ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم نے اجازت مانگی اور اجازت ملنے پر گھر میں آئے اور فرمایا کہ جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو اٹھا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے قسم ہے کہ وہ آپؐ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے بھی ساتھ ہی جانے کی اجازت دیجئے رسول کریمؐ نے فرمایا بہت اچھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس وقت تک مکہ سے نہیں نکلے جب تک حکم نہ ہوا اور آخر وقت تک اس بات پر قائم رہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرنا۔

کیسا ایمان۔ کیسا یقین۔ کیسا پاک تعلق ہے۔ فداک ابی و امّی یا رسول اللہ"

(سیرت النبی صفحہ ۴۱ تا ۴۳ جدید ایڈیشن زیر اہتمام فضل عمر فاؤنڈیشن)

کیپٹن مانٹیگو ولیم ڈگلس کا تذکرہ

چند مزید تاریخی شواہد و حالات

تحریر:۔ عاصم جمالی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "المصلح الموعود"...... فرماتے ہیں۔
باوجود اس کے کہ کرنل ڈگلس موصوف خود بھی ایک مسیحی تھے اور یہ ان کی جوانی اور جوش کا زمانہ تھا انہوں نے حق و صداقت کی خاطر انصاف سے کام لیا۔ (روزنامہ الفضل ربوہ)

مقدمہ اقدام قتل (۱۸۹۷ء) جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۱۸۳۵ء۔۱۹۰۸ء) پر عیسائیوں، ہندوؤں اور مولویوں کی طرف سے دائر کیا گیا تھا کے نیک نیت حاکم کیپٹن مانٹیگو ولیم ڈگلس (۱۸۶۴ء۔۱۹۵۷ء) کا تذکرہ جب تک دنیا قائم ہے رہے گا۔ اسی تسلسل میں چند مزید حقائق جو حضرت خلیفہ المسیح الثانی کے ایک خطبہ مطبوعہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۷ء سے بعینہٖ لئے گئے ہیں اور مکرم صوبیدار میجر سلیم اللہ اور مکرم جناب چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (سابق امام بیت الفضل لندن) حال صدر، صدر انجمن احمدیہ کی ڈگلس سے ذاتی ملاقاتوں اور صوبیدار صاحب کی ڈگلس اور ان کے لواحقین سے خط و کتابت (محفوظ خلافت لائبریری ربوہ) پر مبنی ہیں ہدیہ قارئین ہیں۔ ان سے ڈگلس کے ذاتی حالات کی کمی کا کسی حد تک ازالہ ہو جاتا ہے اور کچھ مزید جاننے کیلئے موصوف کے ورثاء کی طرف سے ایک اہم ماخذ کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی...... کے خطبہ کے اقتباس کی طوالت کے باوجود اسے بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔ کلام الامام امام الکلام کیونکہ اس سے ان تمام شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے جو کتاب "مجدد اعظم" از ڈاکٹر بشارت احمد صفحہ ۵۴۴ وغیرہ میں درج روایات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن پر صوبیدار سلیم اللہ صاحب نے اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں تبصرہ کیا ہے۔ مثلاً یہی ہے کہ راجہ غلام حیدر نے مشورہ عرض کیا کہ اگر آپ اس عبدالحمید کو عیسائیوں کے قبضہ سے الگ کر کے اصلیت معلوم کرنا چاہیں گے تو عجب نہیں کہ آپ اپنے گوہر مقصود کو پالیں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کے دل کو یہ بات لگی...... وغیرہ وغیرہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی........ نے فرمایا:۔

ابھی حال ہی میں سر ڈگلس فوت ہوئے ہیں۔ جو جزائر انڈمان میں کمشنر تھے اور ایک زمانہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ ایک شخص قادیان میں بیٹھا لکھتا ہے کہ میں مسیح ہوں اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی

ہتک کر رہا ہے آج تک اس شخص کو کسی نے پکڑا کیوں نہیں۔ اتفاقاً ایک منافق احمدی نے ایک پادری سے کچھ پیسے لئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ نے اسے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے کیلئے بھیجا ہے۔

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور اس کے ساتھیوں نے ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر کے پاس نالش کر دی اور انہوں نے آپ کے نام وارنٹ جاری کر دیا۔ لیکن اتفاقاً وہ وارنٹ کسی کاپی میں پڑا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب ان لوگوں نے ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ اتنی دیر سے مقدمہ پیش ہے۔ آپ نے ایکشن کیوں نہیں لیا تو اس نے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو لکھا کہ میں نے اتنا عرصہ ہوا فلاں شخص کے نام وارنٹ جاری کیا تھا۔ لیکن مجھے اس کا جواب نہیں آیا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور (سرڈگلس) نے جواب دیا کہ میرے پاس ورانٹ آیا ہی نہیں۔ دوسرے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ملزم مذکور کے نام وارنٹ جاری کرنے کا اختیار آپ کو حاصل نہیں وہ میرے علاقہ میں رہتا ہے اس لئے اگر اس کے نام وارنٹ جاری کر سکتا تھا تو میں کر سکتا تھا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر نے ساری مثل اس کے پاس بھیج دی۔ یہ شخص جیسا کہ میں نے بتایا ہے اتنا متعصب تھا کہ اس مقدمہ سے چند دن پہلے اس نے کہا تھا کہ قادیان میں ایک شخص نے مسیح کا دعویٰ کیا ہے اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے اس کو آج تک کسی نے پکڑا کیوں نہیں۔ جب مسل آئی تو مسل خواں نے کہا جناب والا یہ کیس وارنٹ کا نہیں بلکہ سمن کا کیس ہے اس لئے وارنٹ جاری نہیں کیا جا سکتا۔ سمن بھیجا جا سکتا ہے۔ ان دنوں جلال الدین ایک انسپکٹر پولیس تھے جو احمدی تو نہیں تھے۔ لیکن بڑے ہمدرد انسان تھے انہوں نے بھی ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ وارنٹ جاری کیا جا رہا ہے۔ یہ وارنٹ کا کیس نہیں سمن کا کیس ہے۔ لہٰذا وارنٹ کی بجائے سمن بھیجنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سمن جاری کیا گیا اور انہی جلال الدین صاحب کو اس کی تعمیل کرنے کیلئے قادیان بھیجا گیا۔ چنانچہ بعد میں مقررہ تاریخ پر آپ بٹالہ حاضر ہوئے جہاں ڈپٹی کمشنر صاحب دورہ پر آئے ہوئے تھے۔

جب آپ عدالت میں پہنچے تو وہی ڈپٹی کمشنر جس نے چند دن پہلے کہا تھا کہ یہ شخص خداوند یسوع کی ہتک کر رہا ہے اس کو کوئی پکڑتا کیوں نہیں۔ اس نے آپ کا بہت اعزاز کیا اور عدالت میں کرسی پیش کی اور کہا آپ بیٹھے بیٹھے میری بات کا جواب دیں۔ اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی بطور گواہ مدعی کی طرف سے پیش ہوئے۔ عدالت کے باہر ایک بڑا ہجوم تھا اور لوگ بڑے شوق سے مقدمہ سننے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ جب مولوی محمد حسین صاحب عدالت میں پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو انہیں آگ لگ گئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں جاؤں گا تو عدالت میں مرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی اور بڑی ذلت کی حالت میں وہ پولیس کے قبضہ میں ہوں گے۔ اب دیکھو یہ مقدمہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوا تھا اور مدعی بھی ایک انگریز پادری تھا۔ (ڈاکٹر مارٹن کلارک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ انگریز ہے لیکن درحقیقت وہ کسی پٹھانی کی نسل میں سے تھا جس نے ایک انگریز سے شادی کی ہوئی تھی) اور مولوی محمد حسین صاحب جیسے مشہور عالم بطور گواہ پیش ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی دشمن ناکام و نامراد رہا اور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعزاز کیا گیا وہاں آپ کے مخالفین کو ذلت و رسوائی کا مونہہ دیکھنا پڑا مولوی محمد حسین صاحب نے جب دیکھا کہ آپ کو کرسی

پیش کی گئی ہے تو انہوں نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ میں گواہ ہوں مگر مجھے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے اور مرزا صاحب ملزم ہیں مگر انہیں کرسی دی گئی ہے اور اس طرح ان کا اعزاز کیا گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو یہ بات بری لگی۔ اس وقت انگریز مولویوں کو بہت ذلیل سمجھتے تھے۔ وہ کہنے لگا ہماری مرضی ہے ہم جسے چاہیں کرسی پر بٹھائیں اور جسے چاہیں کرسی نہ دیں۔ ان کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ ان کا خاندان کرسی نشین ہے۔ اس لئے میں نے انہیں کرسی دی ہے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب کہنے لگے کہ میں اہل حدیث کا ایڈووکیٹ ہوں اور میں گورنر کے پاس جاتا ہوں تو بھی مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کہنے لگا تو بڑا جاہل آدمی ہے۔ ملنے جانے اور گواہ کے طور پر عدالت میں پیش ہونے میں بہت فرق ہے۔ ملنے کو تو کوئی چوڑھا بھی آئے تو ہم اس کو کرسی دیتے ہیں اور تو تو اس وقت عدالت میں پیش ہے۔ اس پر بھی مولوی محمد حسین صاحب کو تسلی نہ ہوئی۔ وہ کچھ آگے بڑھے اور کہنے لگے نہیں نہیں مجھے کرسی دینی چاہئے۔ ڈپٹی کمشنر کو غصہ آگیا اور اس نے کہا بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔ چپڑاسی تو دیکھتے ہی ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی نظر کس طرف ہے۔ چپڑاسی نے جب ڈپٹی کمشنر صاحب کے الفاظ سنے تو اس نے مولوی محمد حسین صاحب کو بازو سے پکڑ کر جوتیوں میں لا کھڑا کیا جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ میری ذلت ہوئی ہے باہر ہزاروں آدمی کھڑے ہیں اگر انہیں میری اس ذلت کا علم ہوا تو وہ کیا کہیں گے تو کمرہ عدالت سے باہر نکلے۔ برآمدہ میں ایک کرسی پڑی تھی۔ مولوی صاحب نے سمجھا کہ ذلت کو چھپانے کا بہترین موقع ہے۔ جھٹ کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گئے اور خیال کر لیا کہ لوگ کرسی پر بیٹھے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ مجھے اندر بھی کرسی ملی تھی۔ چپڑاسی نے دیکھ لیا۔ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا انداز دیکھ چکا تھا اس نے مولوی محمد حسین صاحب کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر خیال کیا کہ اگر ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں یہاں بیٹھا دیکھ لیا تو وہ مجھ پر ناراض ہوں گے اس خیال کے آنے پر اس نے مولوی صاحب کو وہاں سے بھی اٹھا دیا اور کہا کہ کرسی خالی کر دیں۔ چنانچہ برآمدہ والی کرسی بھی چھوٹ گئی۔ باہر آگئے تو لوگ چادریں بچھائے انتظار میں بیٹھے تھے کہ مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک چادر پر کچھ جگہ خالی دیکھی تو وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ یہ چادر میاں محمد بخش صاحب مرحوم بٹالوی کی تھی جو مولوی محمد حسین صاحب مربی سلسلہ کے والد تھے اور اس وقت غیر احمدی تھے بعد وہ احمدی ہو گئے۔ انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو اپنی چادر پر بیٹھے دیکھا تو غصہ میں آگئے اور کہنے لگے۔ میری چادر چھوڑ تو نے تو میری چادر پلید کر دی ہے۔ تو مولوی ہو کر عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے۔ چنانچہ اس چادر سے بھی انہیں اٹھنا پڑا اور اس طرح ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا۔ تو دیکھو یہ آیات بینات ہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دشمن کے ہاتھوں سے بری فرمایا پھر اس پر ہی بس نہیں سر ڈگلس کو خدا تعالیٰ نے اور نشانات بھی دکھائے جو مرتے دم تک انہیں یاد رہے اور انہوں نے خود مجھ سے بھی بیان کئے۔ ۱۹۲۴ء میں جب میں انگلینڈ گیا تو انہوں نے یہ سارا قصہ مجھ سے بیان کیا۔ سر ڈگلس کے ایک ہیڈ کلرک تھے جن کا نام غلام حیدر تھا وہ راولپنڈی کے رہنے والے تھے بعد میں وہ تحصیلدار ہو گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ اب زندہ ہیں یا نہیں اور زندہ ہیں تو کہاں ہیں۔ پہلے وہ سرگودھا میں ہوتے تھے۔ انہوں نے خود مجھے یہ قصہ سنایا اور کہا جب ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والا مقدمہ ہوا تو

میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ہیڈ کلرک تھا۔ جب عدالت ختم ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہم فوراً گورداسپور جانا چاہتے ہیں تم ابھی جا کر ہمارے لئے ریل کے کمرہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ میں مناسب انتظامات کرنے کیلئے ریلوے اسٹیشن پر آگیا۔ میں اسٹیشن سے باہر نکل کر برآمدہ میں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ سرڈگلس سڑک پر ٹہل رہے ہیں وہ کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر۔ ان کا چہرہ پریشان ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا صاحب آپ باہر پھر رہے ہیں۔ میں نے ویٹنگ روم میں کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں آپ وہاں تشریف رکھیں۔ وہ کہنے لگے منشی صاحب آپ مجھے کچھ نہ کہیں میری طبیعت خراب ہے۔ میں نے کہا کچھ بتائیں تو سہی آخر آپ کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی ہے تاکہ اس کا مناسب علاج کیا جا سکے۔ اس پر وہ کہنے لگے جب سے میں نے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہے اس وقت سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ کوئی فرشتہ مرزا صاحب کی طرف ہاتھ کر کے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب گنہگار نہیں ان کا کوئی قصور نہیں۔ پھر میں نے عدالت کو ختم کر دیا اور یہاں آیا تو اب ٹہلتا ٹہلتا جب اس کنارے کی طرف نکل جاتا ہوں تو وہاں مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتے ہیں میں نے یہ کام نہیں کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر میں دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں بھی مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر میری یہی حالت رہی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا صاحب آپ چل کر ویٹنگ روم میں بیٹھئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی انگریز ہیں ان کو بلا لیتے ہیں شاید ان کی باتیں سن کر آپ تسلی پا جائیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کا نام لیمارچنڈ تھا۔ سرڈگلس نے کہا انہیں بلوائیں۔ چنانچہ میں انہیں بلا لایا۔ جب وہ آئے تو سرڈگلس نے ان سے کہا دیکھو یہ حالات ہیں میری جنون کی سی حالت ہو رہی ہے۔ میں اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں اور گھبرا کر اس طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کی شکل مجھے کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں مجھ پر جھوٹا مقدمہ کیا گیا ہے۔ پھر دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں یہ سب کچھ جھوٹ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حالت پاگلوں کی سی ہے اگر تم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ لیمارچنڈ نے کہا اس میں کسی اور کا قصور نہیں آپ کا اپنا قصور ہے۔ آپ نے گواہ کو پادریوں کے حوالہ کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو کچھ اسے سکھاتے ہیں وہ عدالت میں آکر بیان کر دیتا ہے آپ اسے پولیس کے حوالہ کریں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیا بیان دیتا ہے۔ چنانچہ اس وقت سرڈگلس نے کاغذ قلم منگوایا اور حکم دے دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کے حوالہ کیا جائے اور حکم کے مطابق عبدالحمید کو پادریوں سے لے لیا گیا اور پولیس کے حوالہ کر دیا گیا۔ دوسرے دن یا اسی دن اس نے فوراً اقرار کر لیا کہ میں جھوٹ بولتا رہا ہوں۔

لیمارچنڈ کا بیان ہے کہ میں نے اسے سچ سچ بیان دینے کے لئے کہا تو اس نے پہلے تو اصرار کیا کہ واقعہ بالکل سچا ہے مرزا صاحب نے مجھے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے قتل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ لیکن میں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص پادریوں سے ڈرتا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے حکم لے لیا ہے کہ اب تمہیں پادریوں کے پاس نہیں جانے دیا جائے گا۔ اب تم پولیس کی حوالات میں ہی رہو گے۔ تو وہ میرے پاؤں پر گر گیا اور کہنے لگا صاحب مجھے بچا لو۔ میں اب تک جھوٹ

بولتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ صاحب آپ دیکھتے نہیں تھے کہ جب میں گواہی کیلئے عدالت میں پیش ہوتا تھا تو میں ہمیشہ ہاتھ کی طرف دیکھتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پادریوں نے مجھے کہا کہ جاؤ اور عدالت میں بیان دو کہ مجھے مرزا صاحب نے ہنری مارٹن کلارک کے قتل کیلئے بھیجا تھا اور امرتسر میں مجھے فلاں مستری کے گھر میں جانے کیلئے ہدایت دی تھی (یہ دوست مستری قطب الدین صاحب تھے جن کا ایک پوتا اس وقت جامعہ احمدیہ میں پڑھتا ہے) تو میں نے کہا میں تو وہاں کے احمدیوں کو جانتا بھی نہیں۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں رہے گا اس پر مستری صاحب کا نام کوئلہ کے ساتھ میری ہتھیلی پر لکھ دیتے تھے۔ جب میں گواہی دینے آتا تھا اور ڈپٹی کمشنر صاحب مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ تمہیں امرتسر میں کس کے گھر بھیجا گیا تھا تو میں ہاتھ اٹھاتا تھا اور اس پر سے نام دیکھ کر کہہ دیتا تھا کہ مرزا صاحب نے مجھے فلاں احمدی کے پاس بھیجا تھا۔ غرض اس نے ساری باتیں بتادیں اور سرڈگلس نے اگلی پیشی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بری کر دیا۔ تو دیکھو یہ سب واقعات ہمارے لئے آیات بینات ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سرڈگلس کیلئے اور آیات بینات بھی پیدا کیں۔ ایک آیت بینہ یہ تھی کہ انہیں ٹہلتے ٹہلتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر نظر آتی تھی اور وہ تصویر کہتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں پھر انہوں نے خود مجھے سنایا کہ ایک دن میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک ہندوستانی آئی سی ایس آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ اپنی زندگی کے عجیب حالات میں سے کوئی ایک واقعہ بتائیں تو میں نے اسے یہی مرزا صاحب والا واقعہ سنایا۔ میں یہ واقعہ سنا رہا تھا کہ بہرے نے ایک کارڈ لا کر دیا اور کہا باہر ایک آدمی کھڑا ہے۔ جو آپ سے ملنا چاہتا ہے میں نے کہا اس کو اندر بلا لو۔ جب وہ شخص اندر آیا تو میں نے کہا۔ نوجوان میں آپ کو جانتا نہیں آپ کون ہیں۔ اس نوجوان نے کہا آپ میرے والد کو جانتے ہیں۔ آپ ان کے واقف ہیں ان کا نام پادری وارث دین تھا۔ میں نے کہا ہاں میں ابھی ان کا ذکر کر رہا تھا وہ نوجوان کہنے لگا ابھی تار آئی ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ وارث دین ایک پادری تھا جس نے ڈاکٹر مارٹن کلارک کو خوش کرنے کیلئے اس کی طرف سے یہ ساری کارروائی کی تھی مگر خدا تعالیٰ نے ڈپٹی کمشنر صاحب پر حق کھول دیا اور خود جو گواہ تھا اس نے بھی اقرار کر لیا کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے یہ سب جھوٹ ہے۔ مگر عین اس وقت جب سرڈگلس وارث دین کا ذکر کر رہے تھے اس کے بیٹے کا وہاں آنا اور اپنے والد کی وفات کی خبر دینا عجیب اتفاق تھا۔ سرڈگلس اپنی موت تک جس احمدی کو بھی ملتے رہے۔ اسے یہ واقعہ بتاتے رہے انہوں نے مجھے بھی یہ واقعہ سنایا۔ چوہدری فتح محمد صاحب اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بھی یہ واقعہ سنایا۔ ۱۹۲۴ء میں جب میں وہاں گیا تھا تو ان کی صحت اچھی تھی۔ یہ ۳۲ سال قبل کی بات ہے اب وہ ۹۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے ۲۴ء میں ان کی عمر ۶۱ سال تھی۔ اس دفعہ جب میں انگلینڈ گیا تو میں نے انہیں بلایا تو انہوں نے معذرت کر دی اور کہا میں اب بڈھا ہو گیا ہوں اور بہت کمزور ہوں۔ اب میرے لئے چلنا پھرنا مشکل ہے۔ اب سنا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں تو مجھے افسوس ہوا کہ موٹر ہمارے پاس تھی۔ ہم موٹر میں ہی انہیں منگوا لیتے یا ان کے گھر چلے جاتے تو یہ آیات بینات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے انبیاء کی سچائی ظاہر کرتا رہتا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ وہ سچے معنوں میں مومن بننے کی کوشش کرے اگر وہ حقیقی مومن بنے تو اللہ تعالیٰ ضرور غیب سے ایسے حالات پیدا

کرتا ہے جس سے اس کا ایمان تازہ ہوتا رہتا ہے اور درحقیقت ایسے ایمان کے بغیر کوئی مزہ بھی نہیں جس ایمان نے آنکھیں نہ کھولیں اور انسان کو اندھیرے میں رکھا اس کا کیا فائدہ۔ جو اس جہاں میں اندھا رہے گا وہ دوسرے جہاں میں بھی اندھا رہے گا اور جسے اس جہان میں آیات بینات نظر نہیں آتیں اس کو اگلے جہان میں بھی آیات بینات نظر نہیں آئیں گی۔ اس دنیا میں بھی آیات بینات نظر آئیں تو دوسری دنیا میں بھی آیات بینات نظر آتی ہیں۔ پس مومن کو ہمیشہ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں لگے رہنا چاہئے کہ وہ دن اسے نصیب ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنی ذات کی سچائی اس کے لئے کھول دے اور اس کو محمد رسول اللہ ﷺ کا منور چہرہ اور خدا تعالیٰ کا نورانی چہرہ نظر آجائے۔" (الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۷۵ء)

صوبیدار صاحب نوشہرہ کینٹ کے رہنے والے تھے۔ آپ انڈین کنٹن جنٹ (Indian Contingent) فورس K-6 سے وابستہ تھے۔ اوائل ۱۹۴۴ء میں آپ سکاٹ لینڈ سے پنشن پا کر وطن واپس لوٹے۔ ۱۹۴۳ء میں جب آپ Knock ابرڈین شائر (Aberden Shire) برطانیہ میں تھے تو آپ جون ۱۹۴۳ء میں لندن تشریف لائے اور یہیں آپ کی ملاقات کیپٹن ڈگلس سے ہوئی۔ صوبیدار صاحب نے اپنی اس ملاقات کا کچھ احوال اپنے قلم سے لکھا جو غیر مطبوعہ شکل میں مذکورہ کاغذات کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اس تبرک کا ایک حصہ پیش خدمت ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

۱۹۴۳ء میں ہمارے دفتر میں خفیہ چھٹی موصول ہوئی مضمون یہ تھا کہ لندن میں ایک Red Cross کی نمائش ہوگی جس میں وارفنڈ (War Fund) جمع کیا جائے گا۔ اس کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے رائیلٹی Royalty بھی حصہ لے گی۔ یعنی بادشاہ اور ملکہ معظمہ بھی شامل ہوں گے۔ میرا نام تجویز ہوا اور ایک ہفتہ میں ہیڈ آفس سے منظوری کی چھٹی مل گئی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ میرا جانا طے پا گیا ہے تو میں نے ایک خط مولانا جلال الدین شمس صاحب کو لکھا کہ مجھے ڈگلس صاحب کا پتہ مہیا کیا جائے جو یو ایس ڈاک ۳ مئی ۱۹۴۳ء کو مل گیا۔ اس خط کے پہنچنے پر میں نے ممدوح کو لکھا کہ میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتا ہوں اور ملاقات کا خواہش مند ہوں۔ شمالی سکاٹ لینڈ سے میں نے روانہ ہونا ہے۔ پروگرام یہ ہے۔ ہماری جماعت میں آپ پیلاطوس ثانی کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں آپ سے ملاقات میرے لئے باعث فخر ہوگی........ خداوند کریم کو میری دیرینہ خواہش پوری کرنی منظور تھی۔ صاحب ممدوح نے اس کو بھانپ لیا۔ مجھے جواب دینے کی بجائے آپ نے مولانا صاحب کے پتہ پر خط بھیج دیا اس خیال سے کہ پہلے میں لندن..... جاؤں گا۔ اس خیال کا اظہار آپ نے مجھ سے ملاقات کے دوران کیا تھا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب میں لندن .... پہنچا مولانا صاحب نے میری چٹھی مجھے حوالہ کی میں نے لائبریری سے کتاب البریہ تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام سرسری پڑھ لی۔ بعد فراغت ریڈ کراس سوسائٹی کے صاحب بہادر کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ اس وقت لندن سے باہر ایک ہوٹل میں قیام رکھتے تھے۔ پہلا فقرہ ملاقات مجھے دیکھ کر کہا

"جس سن کا واقعہ ہے تم تو پیدا بھی نہیں ہوئے ہوگے۔" (۱۸۹۷ء میں مقدمہ ہنری مارٹن کلارک ہوا تھا۔ میری تاریخ پیدائش ۲۷ جنوری ۱۸۹۷ء ہے)

ایک گھنٹہ ملاقات میں آپ نے مقدمہ کی روئیداد سنائی۔ قابل غور باتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دوران گفتگو آپ نے خود پادری ہنری مارٹن کلارک کے بارے میں کہا

He was not an English man although his name was such. He was pathan brought up by missinory."

(ترجمہ:۔ پادری ہنری مارٹن کلارک انگریز نہیں تھا۔ اگرچہ اس کا نام انگریزوں ایسا تھا۔ وہ پٹھان تھا جسے مشنری نے پالا پوسا تھا۔

۲۔ جب میں نے اس لڑکے (عبدالحمید) سے پوچھا کہ تم قادیان چھوڑنے پر سب سے پہلے کہاں گئے تھے۔ اس نے جواب میں کہا۔

"امرتسر مشن' اس جواب سے میں سمجھ گیا کہ مقدمہ مشکوک ہے۔

۳۔ میرے استفسار پر کہ سنا جاتا ہے جب آپ عدالت سے فارغ ہو کر بٹالہ سٹیشن پر ٹہل رہے تھے گاڑی لیٹ تھی۔ آپ کو حضرت مرزا صاحب کی شکل نظر پڑی اور کہتی کہ میں بے گناہ ہوں۔ اس قسم کا کوئی واقعہ گذرا تھا۔ (آپ کے مسل خواں غلام حیدر کا بیان مجدد اعظم صفحہ ۵۶۴)

صاحب نے جواب میں کہا

He (Ghulam Haidar) was an able man........

ترجمہ:۔ غلام حیدر ایک قابل آدمی تھا......

۴۔ سوال:۔ کیا آپ کی پادری کلارک صاحب سے مقدمہ سے پہلے بھی واقفیت اور روشناسی تھی؟

جواب:۔ مجھے وہ عدالت سے صرف ایک دن پہلے ملا تھا۔

"No he met me only one day before the Court was held"

ہماری ملاقات کے دوران کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے تو آپ نے کہلا بھیجا کہ اس وقت نہیں۔ ملاقات کر چکنے کے بعد میں نے ایک پونڈ پارسل چینی اور چاکلیٹ کا صاحب کو بھیجا۔ ایام جنگ میں سویلین آبادی بغیر چینی چائے پیتے۔ ملٹری والوں کو ہر طرح کی آسائش حاصل تھی۔ میں نے اپنی Canteen سے خرید کر پارسل بھیجا تھا اور ایک پونڈ سے زیادہ بھجوانے کا آرڈر نہ تھا۔ ایک چھٹی بھی لکھی کہ میں آپ کی ملاقات کی روئیداد اور یادداشت رکھنا چاہتا ہوں جو ہماری فیملی میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ آپ نے اپنی چٹھی میں انہی قابل ذکر امور کا اعادہ کیا جن کا صاحب نے مجھے اپنی قلم سے جواب دیا یہ خط میں نے محفوظ رکھا لیا۔

صاحب ممدوح کی آواز میں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ جو ضعیف العمری میں ہو جایا کرتی ہے۔

صوبیدار میجر سلیم اللہ صاحب سے مذکورہ چھٹی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ضائع ہو گئی تھی۔ اس کا تذکرہ آپ نے کرنل

ایم۔ ڈبلیو۔ ڈگلس۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آئی۔ سی۔ ایس (یونائیٹڈ سروس کلب پال مال لنڈن ایس۔ای۱) کے نام ایک مکتوب میں کیا ہے اس کی ٹائپ شدہ کاپی پر تاریخ درج نہیں اور خواہش ظاہر کی ہے کہ ایک ایسی ہی چٹھی اپنے قلم سے بھجوا دی جائے جس میں آپ نے چھ امور کا جواب چاہا ہے۔ مذکورہ ریکارڈ پر یہ چٹھی محفوظ نہیں۔

صوبیدار صاحب ۱۹۴۵ء میں دیو لال بمبئی پریذیڈنسی میں تھے۔ آپ نے اپنے اس قلمی مضمون میں کسی تصدیق نامہ کا ذکر کیا ہے جو جوابی چٹھی ڈگلس صاحب کے ساتھ ہے۔ جسے آپ نے حضرت صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحب...... کے نام بذریعہ رجسٹری بھیج دیا تھا۔

سکندر آباد (حیدر آباد دکن انڈیا) سے ایک کارڈ جناب عبداللہ الہ دین صاحب صوبیدار صاحب کے نام بزبان انگریزی محررہ ۲۷ جون ۱۹۵۷ء آپ کے نوشہرہ کے پتہ (جناب سلیم اللہ صاحب معرفت سلیم برادرز کیمسٹ اینڈ ڈرگسٹ نوشہرہ کینٹ۔ پاکستان) پر ہے جس میں مکرم عبداللہ الہ دین صاحب نے لکھا ہے کہ "آپ کا ۱۷ ماہ حال (جون ۱۹۵۷ء) کا تحریر کردہ خط مل گیا ہے اور مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے پہلے ہی کرنل ایم۔ ڈبلیو۔ ڈگلس کے بیٹے اور بیٹیوں کے نام لٹریچر بھجوا دیا ہے آپ کو مزید بھجوانے کی ضرورت نہیں"۔

آرچ بالڈ سٹیئر منٹیگو ڈگلس (Archibald Stair Montagu Douglas) جو کرنل ڈگلس کے بیٹے تھے اور ڈاکٹری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ اے۔ ایس۔ ایم۔ ڈگلس اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۵۷ء میں جو آپ نے صوبیدار سلیم اللہ صاحب کے نام لکھا ہے۔ اس پر آپ کا ایڈریس ان الفاظ میں ہے

WOOD BILLE WOODILLE ROAD-W-6 EALING

موصوف کرنل ڈگلس کی اولاد میں سے تیسرے نمبر پر تھے اور جس وقت آپ نے یہ خط لکھا اس وقت آپ ڈاکٹری کے پیشہ سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اسی خط میں آپ بتاتے ہیں کہ میں نے آپ کا (صوبیدار صاحب کا) خط اپنی بڑی بہن کو رہوڈیشیا بھجوایا ہے جو مجھ سے بہتر جانتی ہے اور وہ آپ کو جواب دیں گی۔ اگر آپ کے پاس کتاب "De Bretts Peerage" کی کاپی ہو تو آپ اس میں "Queensberry Family" کے تحت دیکھیں۔ جو معلومات آپ کو درکار ہیں وہ آپ اس میں موجود پائیں گے۔ اگر اس میں کہیں کوئی غلطی ہے تو میری بہن زیادہ درست بتا سکے گی۔

اس خط میں اے۔ ایس۔ ایم۔ ڈگلس لکھتے ہیں کہ میرے دادا جنرل سر جیمز ڈگلس تھے۔ آپ نے Peninsula War کے دوران ولنگٹن چیف آف سٹاف کے طور پر خدمات انجام دیں۔ آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ جس وقت آپ کی وفات ہوئی میرا یقین ہے کہ وہ قائمقام نو آبادیاتی سیکرٹری کے طور پر ماریشس میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ میرے والد صاحب کے تین بچے ہیں جن میں میں سب سے چھوٹا ہوں۔ میری بڑی بہن کا نام ای۔ ایم۔ ڈگلس ہے جو اب ڈینٹسٹ ہیں اور Chatham میں رہائش پذیر ہیں جو کیپٹن ولیج کی رجمنٹ ہے۔ میری دوسری بہن کا نام ہیلن الزبتھ ڈگلس ہے جو مجھ سے بڑی ہیں جو اب ۹۴' سنٹرل اینیو شمالی رہوڈیشیا میں رہائش

پذیر ہیں۔ آپ بیوہ ہیں اور ان کے مرحوم شوہر اپنی ریٹائرمنٹ سے قبل انڈین پولیس میں تھے۔ لڑائی کے بعد موصوف نے اپنی ریٹائرمنٹ کی زندگی رہوڈیشیا میں گزار دی۔

تحفظ ملیریا کی مہم میں میں نے اپنی زندگی ملایا' برطانوی گیانا' سیرالیون' گولڈ کوسٹ' شمالی افریقہ' اٹلی اور انڈیا میں گزاری ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں آپ کو دوسری اطلاعات پوری صحت کے ساتھ نہیں بہم پہنچا سکوں گا۔ لیکن سمجھتا ہوں کہ میری بہن زیادہ درستی کے ساتھ آپ کی امداد کر سکے گی۔ اگر آپ اس مقدمہ کے حقائق سے آگاہ ہیں جس میں معلوم ہوتا ہے کہ میرے باپ نے انصاف پسند پیلاطوس کا اور مسیح موعود نے عیسیٰ علیہ السلام کا کردار ادا کیا۔ میں اس تمام کارروائی کو بڑے غور و دلچسپی سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کوئی یہ بتا سکے کہ واقعتاً کیا ہوا تھا۔ میرے والد وفات سے قبل مجھے یہ سب کچھ بتانا چاہتے تھے لیکن آپ کی یاداشت کمزور ہونی شروع ہو گئی تھی۔ یہ واضح تھا کہ انہیں یہ سب کچھ جملہ تفصیلات کے ساتھ یاد نہیں تھا۔ اس سب کچھ کو مجھے محفوظ کر لینا چاہئے تھا۔ جو کچھ مجھے فی الواقع یاد ہے وہ یہی کچھ ہے کہ چرچ مشنری سوسائٹی نے مسیح کے خلاف ایک مقدمہ بنایا تھا جو میرے والد کی عدالت میں چلایا گیا۔ اور میرے والد نے یہ پایا کہ مسیح بے قصور ہیں اور انہیں بری کر دیا۔"

الزبتھ ڈگلس پولین اپنے مکتوب محررہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۷ء میں رقم طراز ہیں کہ

"میں آخر کار اس قابل ہو سکی ہوں کہ اس دستاویزی ثبوت کو مہیا کر سکوں جس کی آپ کو میرے والد کی سوانح حیات لکھنے کیلئے ضرورت ہے۔ مرحوم کرنل ڈگلس کی وفات کے بعد جو فروری میں ہوئی آپ نے مجھے لکھا ہے۔ میں نے وہ تصویر پا لی ہے جو مجھے یقین ہے کہ اس مولوی صاحب کی ہے جس کی تعریف میرے والد نے کی تھی۔ میں اس کا نقشی تیار کروا رہی ہوں میں امید کرتی ہوں کہ آپ تک یہ جلد ہی پہنچ جائے گی۔ جس کے ساتھ میری وضاحت بھی شامل ہو گی اور میرے باپ کی فوٹو بھی۔ اگر کوئی اور ذریعہ ہو جس سے میں آپ کی مدد کر سکوں براہ کرم اس سے مجھے مطلع کریں۔ نیک تمناؤں کے ساتھ" (محررہ ۱۳ مئی ۱۹۵۷ء)

الزبتھ ڈگلس پولین اس سے پہلے کے اپنے خط کے ایک حصہ میں لکھتی ہیں کہ جو رہوڈیشیا سے ملے۔ میرے والد آپ کی ریزولیشن کو بہت سراہتے (شاید یہ میاں بشیر احمد صاحب کی ریزولیشن کی طرف اشارہ ہے جو ڈگلس کی وفات کے بعد آپ نے بھجوائی تھی۔ ناقل) میرے والد کئی ایک لحاظ سے ایک غیر معمولی آدمی تھے۔ آپ انڈین فلاسفی اور رسم و رواج میں بطور خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

"انصار اللہ" اکتوبر کے شمارے میں صفحہ ۳۶۔۳۷ پر کرنل ڈگلس کی مصوری کا ذکر ہے۔ شاید الزبتھ ڈگلس پولین کے مکتوب میں اس تصویر کا ذکر ہے۔

صوبیدار صاحب نے اپنے غیر مطبوعہ نوٹس میں کرنل ڈگلس کی بیٹی کے ایک خط محررہ 57-9-12 کا بھی ذکر کیا ہے جو ریکارڈ پر موجود نہیں ہے تاہم اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

Without heritation he released the Moulvi & charges against him were with Drawn

ترجمہ:۔ "بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آپ کے والد (کیپٹن ڈگلس) نے اس مولوی صاحب (مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کو ان الزامات سے بری الذمہ کر دیا۔"

صوبیدار صاحب نے ڈپٹی کمشنر (کیپٹن ڈگلس کے الوداعی فوٹو کو حاصل کرنے کیلئے انڈیا آفس ریکارڈ کامن ویلتھ آفس کنگ چارلس سٹریٹ لندن ایس۔ ڈبلیو وائٹ ہال سے بھی رابطہ کیا مگر مذکورہ دفتر کی چھٹی نمبر10R4367/66 مورخہ ۹ اگست ۱۹۶۶ء کے ذریعے معذرت موصول ہوئی کہ وہ دستیاب نہیں ہو سکی۔

صوبیدار میجر سلیم اللہ مرحوم کی مساعی سے کرنل ڈگلس کے ذاتی خیالات سے ایک حد تک تشنگی دور ہو گئی۔ بہرکیف اب بھی بہت سے گوشے قابل دریافت ہیں اور مزید تحقیق کے محتاج ہیں۔ مثلاً کرنل ڈگلس صاحب کی تیسری کتاب "Lord Oxford & The Shakspeer Gomp" کی بازیابی پہلی دونوں کتابوں کے ساتھ۔ تیسری کتاب کا تذکرہ شیخ مبارک احمد صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ "المصلح" کراچی ۲۸ ستمبر ۱۹۵۳ء میں کیا ہے۔

مکرم ایڈیٹر صاحب انصار اللہ کی معیت میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (سابق امام بیت الفضل) صدر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کا انٹرویو لیا گیا۔ موصوف ۱۹۴۵ء میں بیت الفضل لندن میں امام تھے اور کرنل ڈگلس بیت الفضل کے ہی علاقہ میں تین چار میل دور قیام پذیر تھے۔ باجوہ صاحب کے بیان کے مطابق ڈگلس اس مکان کے اوپر کے حصہ میں رہائش پذیر تھے اور اکیلے ہی قیام تھا۔ ڈگلس صاحب بڑے خوش مزاج تھے اور اپنے ہاتھ سے ہی چائے وغیرہ بنا کر پیش کرتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) محترم باجوہ صاحب کے پاس تھے۔ ایک ملاقات کے دوران باجوہ صاحب نے کرنل ڈگلس کے سامنے وہ نوٹ بک رکھی اس درخواست کے ساتھ کہ وہ اس پر مقدمہ اقدام قتل کی روئیداد لکھ دیں تو کرنل موصوف نے اپنے ہاتھ سے ایک مختصر تحریر لکھ دی جو "حیات طیبہ" مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ (سابق سوداگر مل) کی کتاب ایڈیشن دوم ۱۹۶۰ء میں مع عکس و ترجمہ موجود ہے۔ اور ادارہ انصار اللہ ماہ اکتوبر میں اس کا ترجمہ وہیں سے دیا گیا ہے۔ یہ تحریر مکرم ناظر صاحب اشاعت کے پاس محفوظ ہے۔ مصوری (Still File) کا نادر نمونہ بھی نظارت اشاعت میں موجود ہے۔ جو ۱۹۵۵ء میں محترم باجوہ صاحب کی واپسی کی اطلاع پر کرنل ڈگلس نے کسی آدمی کے ذریعہ بطور تحفہ بھجوایا تھا۔ یہ مصوری کا نمونہ ۱۸۹۶ء کا بنا ہوا ہے اس پر کرنل صاحب کے دستخط موجود ہیں۔ اس میں کپاس کا ایک سفید پھول ہے اور اس کے ساتھ کپاس کا بند ڈوڈا (ٹینڈا) بھی ہے جو کپاس کی دو ٹہنیوں کے ساتھ ہے جن پر کپاس کے سوکھے ہوئے پتے آویزاں ہیں۔ تصویر رنگ دار ہے اور رنگوں کی سج دھج اب بھی برقرار ہے۔ محترم باجوہ صاحب مختلف تقریبات مثلاً کرسمس ڈے وغیرہ پر کرنل ڈگلس کو تحائف بھجوایا کرتے تھے۔

کرنل ڈگلس صاحب کی وفات پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب....... نے امام صاحب لندن کے ذریعہ جماعت احمدیہ کی طرف سے دلی ہمدردی کا پیغام بھجوایا۔ اس پیغام کو روزنامہ الفضل ربوہ نے اپنی یکم مارچ ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں بھی

باقی صفحہ ۳۴ پر

مبارک وہ جو ایمان لایا

حضرت حافظ مولوی محمد فیض الدین صاحب..... سیالکوٹی

سعید فطرت عالم دین اور صاحب عرفان "اللہ والے"

(ایڈیٹر)

حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔
"میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہو گئی تھی اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اسی شہر میں بیعت کی اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ برس پہلے اسی شہر میں ..... رہ چکا تھا اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا اور نہ کوئی میرے حال سے واقف تھا"
(لیکچر سیالکوٹ)

پنجاب کا علاقہ سیالکوٹ ایک مردم خیز خطہ ہے اور علم و فن میں اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والوں کا یہ مسکن ہے۔ یہاں علمی اور ادبی شخصیات کے ساتھ ساتھ نہایت قابل سیاسی راہنماؤں اور دانشوروں نے بھی جنم لیا ہے۔ سیالکوٹ شہر دو ہزار سالہ قدیمی تہذیب و تمدن کا امین ہے۔ اور اس نے ہر نو وارد کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی سیالکوٹ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جب یہ شہر عیسائیت اور دیگر تحریکات کی یلغار سے متاثر تھا تو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (بانی سلسلہ احمدیہ) نے اپنی اوائل عمر میں دین حق کی مخالف تحریکات کا مقابلہ کیا اگرچہ آپ اپنے والد ماجد حضرت مرزا غلام مرتضیٰؒ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے یہاں ملازمت کے لئے آئے تھے مگر آپ کا دل دنیا سے اچاٹ تھا آپ دینی مشاغل میں مصروف رہتے۔ قرآن کریم کا بکثرت مطالعہ اور عبادات میں مستغرق ہوتے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا عرصہ قیام ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء میں ایک حلقہ احباب ایسا بھی پیدا ہوا جو دین کے لئے ہمدردی اور محبت میں آپ کے ساتھ تھے۔ تاہم یہ عرصہ گمنامی کا تھا آپ کو محلہ اور گلی کوچہ کے لوگ بھی نہ جانتے تھے۔ قادیان آکر آپ نے براہین احمدیہ تالیف کی۔ تالیف براہین احمدیہ کے ساتھ مذہبی حلقے آپ کو جاننے لگے اور لوگوں کی آپ سے عقیدت ہوئی اور دینی حلقوں میں آپ کو مقبولیت حاصل ہوئی اور جب آپ نے اذن الٰہی سے بیعت لینے کا اعلان کیا تو ایک بڑی تعداد علماء اور سعید فطرت احباب کی حضرت اقدس مسیح

موعودؑ کی بیعت میں شامل ہوئی اور جب حضرت اقدسؑ ایک مرتبہ ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ تشریف لائے تو جامع احمدیہ کبوترانوالی کشمیری محلّہ کے حضرت حافظ محمد فیض الدین صاحب ..... بھی ان مبارک وجودوں میں سے تھے۔ جو آغوش احمدیت میں آئے۔

حضرت اقدس کو ایک خاص تعلق اس شہر سے رہا آپ اپنے زمانہ قیام سیالکوٹ کے کوائف و حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"اگرچہ میں...... براہین کی تالیف کے زمانہ کے قریب اسی شہر میں قریباً سات سال رہ چکا۔ تاہم آپ صاحبوں میں ایسے لوگ کم ہونگے جو مجھ سے واقفیت رکھتے ہوں کیونکہ میں اس وقت ایک گمنام آدمی تھا اور اَحَدٌ مِنَ النَّاس تھا اور میری کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں نہ تھی مگروہ زمانہ میرے لئے نہایت شیریں تھا کہ انجمن میں خلوت تھی اور کثرت میں وحدت تھی اور شہر میں میں ایسا رہتا تھا جیسا کہ ایک شخص جنگل میں۔ مجھے اس زمین سے ایسی ہی محبت ہے جیسا کہ قادیان سے کیونکہ میں اپنے اوائل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گزار چکا ہوں۔ اور شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت رہی ہے۔"

(لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۳)

پھر اس شہر نے حضرت اقدسؑ کی نگاہ میں جو عظمت حاصل کی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

"میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہو گئی تھی اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اسی شہر میں بیعت کی اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا تھا اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا اور نہ کوئی میرے حال سے واقف تھا۔"

لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳)

حضرت اقدس کا سفر سیالکوٹ ۱۹۰۴ء اور آپکا استقبال:۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے عرصہ قیام سیالکوٹ ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء کے بعد متعدد بار سیالکوٹ کا سفر اختیار کیا' مگر ۱۹۰۴ء کا سفر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت اقدسؑ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو سیالکوٹ پہنچے اور ۳۔ نومبر کو واپس قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ سیالکوٹ کے احمدی احباب نے نہایت والہانہ استقبال کیا۔ جماعت کی طرف سے مطبوعہ خیر مقدم بھی تقسیم کیا گیا جس میں یہ دو شعر تھے۔

اے آمدنت باعث آبادی ما — ذکر تو بود زمزمہ شادی ما
سایہ گستر بادیا رب بر دل شیدائے ما — خضر ما مہدی ما عیسیٰ ما مرزائے ما

(بحوالہ حیات طیبہ صفحہ ۲۷۹ مصنف شیخ عبدالقادر ...)

سیالکوٹ میں پبلک لیکچر:۔

حضرت اقدس نے قیام سیالکوٹ کے دوران فیصلہ فرمایا کہ ایک پبلک لیکچر کا انتظام کیا جائے چنانچہ اس غرض کے لئے ۲نومبر ۱۹۰۲ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ اور بذریعہ اشتہار اعلان عام کر دیا گیا۔

۲نومبر کو میاں فضل حسین بیرسٹر کی تحریک اور حاضرین کی تائید سے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب...... جلسہ کے صدر قرار پائے۔ اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت دل آویز انداز میں حضرت اقدسؑ کا مضمون پڑھ کر سنایا۔

حضرت اقدسؑ مسیح موعود کے قیام سیالکوٹ کے موقعہ پر جہاں نہایت شدت سے مخالفت ہوئی اور جلسہ گاہ کے قریب مولویوں نے مخالفانہ تقریریں کیں راستوں میں خشت باری کی گئی اور نازیبا حرکتیں کی گئیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ اور گردونواح کے اضلاع گجرات گوجرانوالہ اور جہلم کے احباب سمیت کثرت سے لوگوں نے شرف بیعت حاصل کیا۔ اس قیام سیالکوٹ کے موقعہ پر ہی حضرت حافظ مولوی محمد فیض الدین صاحب .... بھی بیعت کر کے آغوش احمدیت میں آگئے۔

حضرت حافظ مولوی فیض الدین صاحب......کے کوائف و حالات:۔

حضرت حافظ مولوی فیض الدین صاحب کے بارہ میں آپ کے خاندانی حالات کا مختصراً تذکرہ یوں ہے۔

یہ حالات حیات فیض مولفہ مولانا عبدالمالک صاحب سے لئے گئے ہیں۔

"آپ کے آباء و اجداد عرب سے آکر اس علاقہ میں آباد ہوئے تھے آپ کے دادا صاحب کا اسم گرامی میاں حسن صاحب تھا اور وہ ایک وسیع حلقہ ارادت رکھتے تھے۔ یہی حال آپ کے والد بزرگوار مولوی غلام مرتضیٰ صاحب کا تھا۔ اس خاندان کی بزرگی اور تقویٰ و طہارت کا لوگوں پر یہ اثر تھا کہ اس کی وجہ سے ان کے نام ہی "اللہ لوگ" (یعنی اللہ والے لوگ) مشہور تھا۔ اور جس محلّہ میں وہ رہتے تھے وہ "محلّہ اللہ لوکاں" یعنی اللہ والوں کا محلّہ کہلاتا تھا اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام رسول بی بی تھا اور وہ موضع جھکلی ضلع جہلم کے مشہور سجادہ نشین خاندان سے تھیں ان کے والد ماجد کا نام میاں فضل احمد اور دادا کا نام کاکے شاہ تھا....خدا تعالیٰ نے مولوی غلام مرتضیٰ صاحب کو دو فرزند عطا فرمائے بڑے بیٹے کا نام مظفرالدین اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد فیض الدین رکھا گیا۔ یہی چھوٹے بیٹے بڑے ہو کر اپنے والد بزرگوار کے جانشین ہوئے" (حیات فیض صفحہ ۱۰)

آپ کا احمدیت قبول کرنا:-

حضرت حافظ مولوی محمد فیض الدین .... حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔اور اسی ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی تھی۔ اعتقاد و رسوم کے پابند تھے۔ آپ کے قبول احمدیت میں بڑا محرک آپ کی فطرت سعیدہ تھی تقلید سے ہٹ کر جب آزاد ذہن اور فکرو نظر سے کام لیا تو اپنے فطرتی جوش و اخلاص سے احمدیت کی طرف سفر اختیار کیا۔ حیات فیض میں آپ کے قبول احمدیت کا ذکر یوں ہے۔

"آپ کا علم اور شعور جوں جوں بڑھتا گیا آپ میں ایک تبدیلی آتی چلی گئی۔ اور بالآخر آپ نے پیری مریدی کے پرانے طریق کو ترک کر دیا....... آپ غیر مقلدین میں شامل ہو گئے یہ زمانہ ایسا تھا کہ تمام اہل مذہب میں اپنے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک جوش پایا جاتا تھا لیکن اسلام کے لئے وہ زمانہ نازک تھا۔ کیونکہ وہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا...... ان حملوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کا کوئی مناسب حال معقول انتظام نہ تھا ایسے نازک زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو حمایت اسلام اور اشاعت نور حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مبعوث فرمایا........ اس زمانہ کے معرکہ حق و باطل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جانب سے جو کوشش اور کاروائیاں ظہور میں آئیں ان سے سنجیدہ روحیں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ گو آپ علمائے اہل حدیث کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے اور کبھی کبھی حضور کے دعویٰ پر بھی تنقیدیں کرتے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشاق سے بھی آپ کے دوستانہ مراسم پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب....... اور حضرت میر حامد شاہ صاحب .... کی صحبت میں بیٹھتے اور سلسلہ کے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ چوہدری غلام سرور صاحب نے بتایا کہ حضرت مولوی فیض الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ایک عالم مگر آزاد خیال انسان تھے ڈاڑھی منڈواتے تھے مگر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کے بعد ڈاڑھی رکھ لی اور اسلام کا میں نے ان کو عاشق صادق پایا تو میرے دل نے سمجھ لیا کہ جس وجود نے مولوی صاحب میں تبدیلی پیدا کر دی ہے وہ یقیناً خدا کا فرستادہ ہے...... آپ نے بیعت ۱۹۰۴ء میں کی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ تشریف لائے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضور کی تشریف آوری سے قبل انتظامات کے لئے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ...... سیالکوٹ آئے تھے اور حضرت حامد شاہ صاحب .... کے مکان پر تشریف رکھتے تھے ایک دن مولوی محمد فیض الدین صاحب آپ سے ملنے آئے تو گفتگو کے دوران میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب...... نے فرمایا کہ مولوی صاحب اب تو ہدایت کا آفتاب کافی چڑھ گیا ہے آپ عالم دین ہیں آپ کو دیر نہیں کرنی چاہیئے اور بیعت کر لینی چاہیئے۔ مولوی فیض الدین صاحب نے سن کر فرمایا اب دیر نہ ہو گی اور پھر آپ نے

حضور کے سیالکوٹ کے قیام کے دوران میں بیعت کرلی۔"

(حیات فیض صفحہ ۱۴ تا ۱۷)

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی شدت سے مخالفت جاری تھی۔ لیکچر سیالکوٹ اسی موقعہ پر پیش کیا گیا۔ اور گرد و نواح کے اضلاع سے بکثرت احباب نے حضرت اقدس کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مخالفت کا ایک طوفان بھی اٹھا ہوا تھا۔ جس کی لپیٹ میں حضرت مولوی صاحب بھی آ گئے۔

آپ کی شدید مخالفت:۔ آپ کا خاندان معزز علمی خاندان تھا۔ افراد خاندان کا حافظ قرآن بننا ایک امتیاز تھا۔ حضرت مولوی فیض الدین صاحب........نے قرآن کریم حفظ کیا اور موضع ساہو والہ کے مولوی غلام حسن صاحب سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ علم حدیث سے بھی آپ کو خاص شغف تھا اس طرح آپ کا شمار سیالکوٹ کے جید علماء میں ہوتا تھا۔

قبول احمدیت کے ساتھ ہی آپ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ ایذا رسانی کا ہر حربہ آپ کے خلاف آزمایا گیا۔ مگر آپ نے نہایت صبرو استقامت کا نمونہ دکھایا۔ آزمائش کی یہ ایک طویل داستان ہے جس کی ایک جھلک ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

۱۔ **خاندانی مخالفت:۔** "آپ کے ماموں زاد مولوی عبدالمجید صاحب اور آپ کی والدہ صاحبہ پر اور آپ کے سسرال والوں نے شدید مخالفت کرنا شروع کر دی کبھی آپ کو باپ دادے کا نام ڈبونے والا بتایا جاتا کبھی کہا جاتا کہ اس نے خاندان کی ناک کٹوا دی ہے۔ صبح و شام آپ کو گالیاں اور صلواتیں سننا پڑتیں آپ کے سسرال والوں نے آپ کی پہلی بیوی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کبھی یہ کہہ کر اکسایا جاتا کہ تیرا خاوند کافر ہو گیا ہے کبھی یہ کہہ کر کہ تیرا نکاح ٹوٹ چکا ہے میکے چلے جانے پر زور دیا جاتا بالآخر آپ کی بیوی کا بھائی یہ جھوٹ بول کر کہ والدہ کی حالت خراب ہے اس کا منہ دیکھ لو اپنی بہن کو گھر لے گیا اس زمانہ میں طاعون کا زور تھا آپ کی یہ بیوی وہاں جا کر فوت ہو گئی۔

......سارا محلّہ اور شہر آپ کے خلاف ہو گیا آپ کے ماموں زاد بھائی نے مخالفین سے مل کر آپ کو بے حد ستایا......"

"موجودہ جامع ......احمدیہ سیالکوٹ جو کبوترانوالی ....کے نام سے مشہور ہے مولوی صاحب کے دادا جان میاں حسن صاحب نے بنوائی تھی اس ......اور اس کے ساتھ ملحقہ مکانات اور دوکانوں کے آپ وارث ہوئے ایک اور مسجد جو گلی کے سرے (جنوبی جانب سڑک پر۔ ناقل) پر واقع تھی وراثتاً مولوی صاحب کی تولیت میں آئی قبول احمدیت کے

بعد...... غیر احمدیوں کو نماز پڑھنے کے لئے دے دی چنانچہ میاں فخرالدین صاحب۔ اس میں ان کی امامت کراتے تھے اور کبوترانولی (جامع احمدیہ۔ ناقل) میں آپ خود امام تھے۔" (حیات فیض صفحہ ۱۸ تا ۲۰)

۲- **آپ کے خلاف خورد برد کا مقدمہ:۔** لوگ بجائے اس کے آپ کے ممنون احسان ہوتے انہوں نے سازش کر کے آپ کے خلاف خورد برد کا ایک مقدمہ دائر کر دیا جس کی روداد یوں ہے۔

"آپ کے خلاف سازش کر کے برکت رام سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کر دیا اور آپ پر یہ الزام عائد کیا کہ آپ نے ...... سائبان اور کچھ دوسرا سامان بیچ دیا ہے اور ایسا کرنے سے ان کا منشاء یہ تھا کہ اس طرح وہ اپنے تئیں متولیوں میں شمار کرا لیں پھر جب انتظام میں عمل دخل ہو جائے تو رفتہ رفتہ پورا قبضہ کر کے مولوی صاحب کو بیدخل کر دیا جائے اور مسجد اور ملحقہ جائیداد پر قبضہ کر لیا جائے سارے شہر میں اس مقدمہ کا چرچا تھا مجسٹریٹ کے روبرو گواہ ایک جھوٹ کی تائید میں اس شخص کے خلاف پیش کئے جا رہے تھے جو کل تک ان کے نزدیک اللہ والا تھا پیر تھا نیک و بزرگ تھا۔ آج وہ سائبان بیچ کر کھا جانے والا کہلا رہا تھا یکے بعد دیگرے گواہ جاتے اور حاکم ان سے حلف اٹھوا کر گواہی لیتا جرح کرتا۔ ادھر مولوی صاحب کا یہ حال تھا کہ نہایت الحاح درازی سے عدالت کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دعا میں مصروف اس انتظار میں کھڑے تھے کہ حاکم کب بلاتا ہے لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ کو بلانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور حاکم نے مقدمہ خارج کر دیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ خدا کی نصرت اس رنگ میں نازل ہوئی کہ ان گواہوں میں ایک شخص حیات تمباکو والا تھا حسب معمول حاکم نے اس سے بھی حلف اٹھوا کر دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مولوی فیض الدین نے مسجد کا سائبان بیچا ہے گواہ نے حلف اٹھا کر جواب میں میز پر دو روپے رکھ دئے اور کہا کہ "مجھے تو سائبان بیچنے کا علم نہیں البتہ مجھے ان دو روپیوں کے عوض یہاں لایا گیا ہے۔" اس واقعہ سے عدالت پر سناٹا چھا گیا اور مجسٹریٹ نے ان تمام جھوٹی شہادتوں کے طومار کو پھینک دیا اور مقدمہ خارج کر دیا" (حیات فیض صفحہ ۲۰۔۲۱)

۱- **قاتلانہ حملہ:۔** اسی شدت مخالفت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ "ایک دن مولوی صاحب ...... خانہ خدا میں بارگاہ ایزدی میں سربسجود تھے کہ ایک شخص بادشاہ نامی ...... عقب سے اندر داخل ہوا اور آپ پر تلوار سے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن اسی اثناء میں میراں بخش صاحب عطار احمدی سکنہ دھرمسالہ نے اس حملہ آور کو دیکھ لیا اور دوڑ کر اسکو پکڑ لیا۔" (حیات فیض صفحہ ۲۱۔۲۲)

اس حملہ آور پر مقدمہ چلا لیکن وہ ضمانت پر رہا ہو گیا مگر تھوڑا عرصہ گزرا کہ اسی شخص نے ایک نابالغ لڑکی پر حملہ کیا

اس جرم میں گرفتار ہوا اور چودہ سال قید کی سزا ہوئی۔ ان ایذاؤں اور شرارتوں کی اللہ تعالیٰ پہلے سے خبر دے دیتا آپ فرماتے ہیں کہ کثرت سے اس دعا کاورد کرتا یَارَبِّ فَاسْمَعْ دُعَائِي وَ فَرِّقْ اَعدائكَ و اَعْدَائی۔" یعنی اے خدا میری دعا سن اور اپنے اور میرے دشمنوں کو پراگندہ کر۔

۴۔ **بے زبانوں پر ظلم:** آپ کے مخالفین نے اپنے بغض و عناد کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے بے زبان جانوروں پر بھی ظلم کیا "مولوی صاحب کی بھینسوں کو پکڑ کر تانت سے ان کی زبانیں باندھ دیں ان کی دمیں کاٹ ڈالیں۔" (حیات فیض صفحہ ۲۳)

مخالفین سے آپ کا حسن سلوک اور ان کا انجام:۔ حضرت مولوی صاحب ....میں اسوہ رسول کی جھلک نظر آتی تھی۔ آپ کے مخالفین جب کبھی اظہار ندامت کرتے تو آپ فوراً درگزر فرماتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔

(۱) "آپ کی بڑی صاحبزادی میمونہ بیگم کا بیان ہے کہ آپ کے مخالفین میں ایک شخص کشمیری تھا وہ مرض طاعون میں مبتلا ہو گیا اور اسکی حالت غیر ہو چلی لوگوں نے اسکی چارپائی کھلی ہوا میں رکھ دی اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ مولوی فیض الدین صاحب آئیں اور اسے دیکھ لیں۔ لوگوں نے مولوی صاحب سے اسکی خواہش کا ذکر کیا آپ فوراً ....چلنے پر آمادہ ہو گئے........اسے دیکھنے گئے اسے اپنی ان غلطیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے آپ سے معافی طلب کی آپ نے اسکو معاف فرما دیا اور اس کے لئے دعا کی بعد میں وہ شخص فوت ہو گیا۔

(۲) آپ کی چھوٹی صاحبزادی غلام فاطمہ صاحبہ نے بتایا کہ وہ شخص جو آپ پر قاتلانہ حملہ کی نیت سے........آیا تھا اور جسے بعد میں ایک اور جرم کی پاداش میں ۱۴ سال قید ہوئی تھی اپنی رہائی کے بعد سیدھا آپ کے پاس آیا اور عفو کا طلبگار ہوا آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ یہ ۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے۔"

(۳) آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی عبدالمجید جنہوں نے سخت مخالفت کی اور ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی ان کے سات تنومند خوبصورت لڑکے تھے۔ وہ ان پر فخر کرتے تھے۔ لیکن حضرت مولوی محمد فیض الدین........کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی مگر خدا تعالیٰ نے اس شدید معاند کے ساتوں لڑکوں اور دونوں بیٹیوں کو وفات دے کر بتا دیا کہ نیکوں کے مقابل پر مال و اولاد پر فخر کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ (ملخص حیات فیض)　　باقی آئندہ شمارہ میں:۔

تصحیح: ماہ مارچ کے شمارہ میں صفحہ ۷ کے شعر ۵ میں "نیاوردہ" ہے اسی طرح صفحہ ۱۰ کی سطر ۶ پر "تعالیٰ" اور سطر ۱۴ پر "آیا" اور صفحہ ۱۲ سطر ۲۳ پر "اس" صفحہ ۱۴ کی پہلی سطر میں "چاہیئے" سطر ۸ پر عرض "کی" سطر ۹ 'دو' موٹے موٹے اور اسی سطر میں 'زنا' صفحہ ۱۵ کی سطر ۵ پر 'رفتہ رفتہ' سطر ۱۴ پر 'بھڑکے' کے الفاظ ہیں صفحہ ۱۸ پر حوالہ ۲۰ ستمبر کی بجائے '۲۰ دسمبر' ہے اور اس حوالہ کا صفحہ ۷۴۸ ہے صفحہ ۲۶ پر حضرت اقدسؑ کے شعر میں لفظ غیظ کی درستی کر لی جائے۔ (ادارہ)

سیاح نبی

(۲)

(سلسلہ کیلئے دیکھیں شمارہ جنوری ۱۹۹۸ء)

تحریر:۔ مظفر چوہدری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"کنز العمال جو احادیث کی ایک جامع کتاب ہے اس کی (جلد دوم) کے صفحہ ۳۴ میں حضرت ابوھریرہؓ سے یہ حدیث لکھی ہے۔ اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نقل کرتا رہ یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جا۔ تاکہ کوئی تجھے پہچان کر دکھ نہ دے۔ اور پھر اسی کتاب میں حضرت جابر سے روایت کر کے یہ حدیث لکھی ہے۔ کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسیٰ اکل بقل الصحرآء ویشرب الماء القراح (جلد دوم صفحہ ۷۱) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑتی تھی تو جنگل کے بقولات میں سے کچھ کھاتے تھے اور خالص پانی پیتے تھے۔

اور پھر اسی کتاب میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس کے یہ لفظ ہیں۔ قال احب شئی الی اللّٰہ الغربآء قیل ای شی الغربآء قال الذین یفرّون بدینھم ویجتمعون الی عیسیٰ ابن مریم (جلد:۶) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پیارے خدا کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ پوچھا گیا کہ غریب کے کیا معنی ہیں۔ کہا وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ مسیح کی طرح دین لیکر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔" (مسیح ہندوستان میں صفحہ ۵۶)

زیر نظر مضمون اسی اقتباس کی روشنی میں ہے چنانچہ یہاں زیر بحث مندرجہ ذیل امور ہیں۔

(i) اسلامی لٹریچر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف مقامات پر جانے کا ذکر۔

(ii) دوران سفر آپ کے قیام و طعام کے واقعات

(iii) مختلف قوموں کے پاس سے آپ کے گذر کا ذکر

اسلامی لٹریچر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف مقامات پر جانے کا ذکر

گزشتہ قسط میں حکیم **نکودیمس** کا وہ قول گذر چکا ہے جس میں انہوں نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اگر مسیح کو تلاش کرنا ہے تو پہاڑوں پر تلاش کرو۔ واقعہ صلیب کے بعد آپ کے صلیب سے بچ کر بتھانیہ کے علاقہ میں جانے کا ذکر "واقعہ صلیب کی چشمدید شہادت" میں موجود ہے۔ گواہی دینے والا کوہ کارمل کے دامن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جگہ کی پہاڑیوں میں ایسی غاریں ہیں جہاں الیاس اور الیسع نے چلے کھینچے تھے۔ آپ ان پہاڑوں میں آئے اور چند دن قیام کیا۔ پھر **نکودیمس** اور یوسف آرمیتیاہ کے ہمراہ بیت عبرا۔ یہاں سے بیت عیناہ اور وہاں سے بحیرہ مردار کے کنارے چلا گیا۔

رفع الی اللہ:۔

قرآن کریم میں ہے۔

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم..... بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزاً حكيماً o"

"یعنی وہ (یہودی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کر سکے اور نہ صلیب دے سکے البتہ یہ معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا...... بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف بلند کر لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی سمت تو نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ مرفوع الی اللہ ہو گئے۔ اصل بحث تو علمائے علم کلام کی ہے۔ یہاں صرف اسلامی لٹریچر سے وہ حوالہ جات درج کرتے ہیں جن میں لفظ رفع الی اللہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین القمی النیشاپوری (متوفی ۷۲۸ھ) اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں رفع کی بحث میں لکھتے ہیں۔

"الدلائل القاطعة دلت على انه متعال عن الحيز والجهة، فوجب حمل هذا الظاهر على التاويل بان المراد الى محل كرامتى و مقر ملائكتى، ومثله قول ابراهيم (انى ذاهب الى ربى) و انما ذهب من العراق الى الشام، وقد سمى الحجاج زوار الله، والمجاورون جيران الله، والمراد التفخيم والتعظيم۔

اس امر پر قطعی دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جسم اور جہت سے بالا ہے اور سمت کے ہونے سے بالا ہے۔ پس

واجب ہے کہ اس کی یہ تاویل کی جائے کہ یہاں (رافعک الی سے) مراد "میری کرامت کی جگہ" اور "میرے ملائکہ کا ٹھکانہ" ہے۔ اس کی مثال ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ "انی ذاھب الی ربی" (اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے) اور بیت اللہ کے مجاوروں کو جیران اللہ (اللہ تعالیٰ کے پڑوسی) کہا جاتا ہے اور اس سے مراد عظمت شان اور تعظیم ہوتی ہے۔

زاد المعاد میں ہے۔

مایذکران عیسیٰ رفع وھو ابن ثلاث و ثلاثین سنة لایعرف له اثر متصل یجب المصیر الیه (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۲۰)

یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع تنتیس برس کی عمر میں ہوا۔ اس پر ہمیں کوئی ایسی متصل حدیث نہیں ملتی جس پر عمل واجب ہو۔

اس حوالہ کو درج کر کے فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے۔

قال الشامی وھو کما قال فان ذلک انما یروی عن النصاری

(فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹)

الشامی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بات تو صرف عیسائیوں سے لی گئی ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

المراد من ھذا الایة انه تعالیٰ بشره بقبول طاعته واعماله....

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی اطاعت اور اعمال کے قبول کئے جانے کی بشارت دی۔

تفسیر جامع البیان میں ہے۔

رافعک الی ای محل کرامتی (جامع البیان صفحہ ۵۲)

رافعک الی یعنی اپنی عزت کے مقام کی طرف اٹھاؤں گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔

رافعک الی ای محل کرامتی و مقر ملائکتی وجعل ذلک رفعا۔ الیه للتعظیم و مثله قوله انی ذاھب الی ربّی۔ وانما ذھب ابراھیم علیه السلام من العراق الی الشام۔ قد یسمی الحاج زوار الله والمجاورن جیران الله و کل ذلک للتفخیم فانه تعالیٰ یمتنع کونه فی المکان۔

(روح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۱۔ المطبعہ عثمانیہ ۱۳۳۰ھ)

رافعک الی (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میری عزت کے مقام اور میرے ملائکہ کے ٹھکانے کی طرف اٹھاؤں

گا یہ رفع کی نسبت اپنی طرف اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی خاطر دی ہے۔ اور اس کی مثال اللہ کا یہ قول ہے۔ انی ذاھب الی ربی حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔ اور اسی طرح حاجیوں کو زوار اللہ اور مجاور بیت اللہ کو جیران اللہ کہا جاتا ہے اور یہ سب عظمت شان کی غرض سے ہے اللہ تعالیٰ کا کسی مکان میں محدود ہونا ناممکن ہے۔

سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔

''پہلی آیت اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے جس سے عیسیٰ کی قدر و منزلت مقصود ہے نہ یہ کہ ان کی جسم کو اٹھا لینے کا۔'' (تفسیر سرسید احمد خان جلد ۲ صفحہ ۴۳۔۴۴)

تفسیر جامع البیان میں ابن جریر الطبری لکھتے ہیں۔

''قال اللہ لعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی' فتوفاہ و رفعہ الیہ..... وقال آخرون: معنی ذلک: انی قابضک من الارض' فرافعک الی قالوا و معنی الوفاہ القبض۔ وقال الآخرون: معنی ذلک انی متوفیک وفاہ موت...... عن ابن عباس قولہ انی متوفیک انی ممیتک

(جامع البیان صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰ الجزء ۳' ۴)

جب اللہ تعالیٰ نے (حضرت) عیسیٰ سے فرمایا ''میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف تیرا رفع کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی اور اپنی طرف آپ کا رفع فرمایا........ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے زمین پر سے قبض کر لوں گا میں اپنی طرف تیرا رفع کروں گا۔ ان کے نزدیک وفات کے معنی قبض کے ہیں۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ انی متوفیک کے معنی ہیں موت۔ ابن عباس کا قول ہے انی متوفیک کے معنی ہیں میں تجھے موت دینے والا ہوں۔

کشمیر میں رفع:۔

کشمیر کی ایک قدیم تاریخ نادری میں لکھا ہے۔

''راجہ اکھ کے معزول ہونے کے بعد اس کا بیٹا گویا گوپا نند حکمران ہوا...... اس وقت حضرت یوز آسف بیت المقدس سے وادی اقدس کی جانب مرفوع ہوئے....... آنحضرت کے حکم سے سلیمان نے جسے ہندوؤں نے سندیمان کا نام دیا۔ گنبد مذکور کی تکمیل کی۔ (سن ۵۴ تھا) اس نے گنبد کی سیڑھی پر لکھا کہ اس وقت یوز آسف نے دعویٰ پیغمبری کیا ہے اور دوسری سیڑھی کے پتھر پر لکھا کہ آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر یسوع ہیں۔...... اور میں نے ہندوؤں کی کتاب میں دیکھا ہے کہ آنحضرت بعینہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور یوز آسف کا نام اختیار کیا ہوا تھا۔ والعلم عنداللہ۔ اس نے اپنی عمر اس جگہ بسر کی اور وفات کے بعد محلہ آنزمرہ میں دفن ہوئے۔''

(کشمیر میں حضرت عیسیٰ کی وفات صفحہ ۳ تا ۵، محمد اسد اللہ کاشمیری، جماعت احمدیہ گلگت۔ پال سنز پرنٹنگ پریس گلگت)

کشمیر کے نام کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کشیاب مرہے۔ یعنی سنسکرت میں اس کا مطلب خدا کی وادی ہے اور یہ وادی یروشلم سے مسلسل بلندی کی طرف سفر کر کے آتی ہے اور دنیا کے بلند ترین علاقوں میں واقع ہے۔ اور نہایت قدیم زمانے سے چند صدیاں قبل تک بیرونی اثرات اور قوانین سے آزاد چلی آ رہی تھی۔ کشمیر کی مسلمان تواریخ میں "در وادی اقدس مرفوع شد" کے الفاظ نہایت قابل توجہ ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا جید علما رفع الی اللہ کا مطلب آسمان پر جانا نہیں بلکہ درجات کی بلندی مراد لیتے ہیں اور یہی بات امام جبائی نے بیان کی ہے۔

"اللہ نے مسیح کو وفات دی اور اپنی طرف بلایا۔" (تفسیر مجمع البیان زیر آیت فلما توفیتنی)

یہی بات امام الخطیب الشربینی نے سراج المنیر میں لکھی ہے۔

یا عیسٰی انی متوفیک ای مستوفی اجلک و معناہ اِنّی عاصمک من ان یقتلک الکفار و موخرک الٰی اجل کتبتہ لک و ممیتک حتف انفک لا قتلا بایدیھم (سراج المنیر جزاول زیرآیت ھذا صفحہ ۲۲۰)

اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ یعنی میں تیری عمر پوری کروں گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے کفار کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گا۔ اور تجھے تیرے لئے مقررہ مدت تک زندہ رکھوں گا اور تجھے طبعی موت دوں گا۔ نہ کہ ان کے ہاتھوں.........

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سفر کا آغاز

کرسی عیسیٰ علامہ یاقوت الحموی طبریہ (فلسطین) میں ایک مقام "کرسی عیسٰی" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"......ھی قریہ بطبریہ یقال ان المسیح جمع الحواریین بھا و انفذھم منھا الی النواحی و فیھا موضع کرسی زعموا انہ جلس علیہ السلام"

(معجم البلدان زیر لفظ ھذا جلد ۴)

"یہ طبریہ میں ایک قریہ ہے کہا جاتا ہے کہ مسیح نے حواریوں کو یہاں جمع کیا اور یہاں سے ان کو مختلف اطراف میں بھیجا اور اس میں ایک بیٹھنے کی جگہ ہے جس کے بارے میں وہاں کے لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس پر بیٹھے۔"

یعنی طبریہ کے لوگوں کے نزدیک وہ مقام جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو رخصت کیا اور ان سے جدا ہوئے یہ گاؤں "کرسی عیسٰی" ہے۔ جسے فارسی اور اردو میں "تخت عیسیٰ" کہا جاتا ہے جیسا کہ کرسی سلیمان جو بیت المقدس میں ایک مقام ہے فارسی میں "تخت سلیمان" کہلاتا ہے۔ علامہ یاقوت بحیرہ طبریہ کے کنارے غور کے

قریب ایک پہاڑ پر دیر الطور (دیر تجلی) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رفع کے بعد وہ یہاں پر اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوئے۔ (معجم البلدان زیر لفظ دیر الطور جلد ۲ صفحہ ۵۴۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سفر کی تین ممکنہ اطراف

یہود کی وہ جلاوطنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل عمل میں آئی تین اطراف میں پھیلی ہوئی تھی اور تین راستے اس کو فلسطین سے ملاتے تھے۔

۱۔ وہ راستہ جو یروشلم سے شروع ہو کر صحرائے سینا، مصر میں اسکندریہ سے ہوتا ہوا لیبیا، مراکش وغیرہ کی راہ سے بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ سپین تک جاتا ہے۔

۲۔ وہ راستہ جو ادوم، مدائن صالح، تبوک، تیما و خیبر وغیرہ کے راستے حجاز اور یہاں سے یمن آگے عمان میں خلیج فارس اور یہاں سے ہندوستان تک جاتا تھا۔

۳۔ تیسرا راستہ یروشلم سے دمشق، دمشق سے نصیبین، نصیبین سے موصل یہاں سے ایک راہ سلیمانی اور تکریت کے علاقوں سے بغداد کی طرف جاتی ہے اور اصل راستہ آگے بحیرہ اسود اور بحیرہ خزر کے ساحلوں کے ساتھ چلتے ہوئے۔ موجودہ تہران سے نیشاپور اور یہاں سے ہرات پہنچا ہے۔ ہرات سے ایک سڑک قندھار کی طرف براستہ زمین داور نکلتی ہے اور بڑا راستہ ہرات سے غور کے راستے کابل آتا ہے۔ نیشاپور اور تہران سے ایک راستہ ماوراء النہر کی طرف جاتا ہے جو منگولیا اور چین پہنچتا ہے۔ کابل سے ایک راستہ بلخ کے راستے ماوراء النہر کی طرف جاتا ہے اور ایک راستہ ھڈہ اور جلال آباد کے راستے درہ خیبر اور درہ کرم، پشاور میں داخل ہوتا ہے۔ کابل سے ایک راستہ چترال اور بدخشاں کی طرف جاتا ہے اور ایک راستہ پشاور سے چترال اور بدخشاں کی طرف براستہ سوات اور دیر و تیمرہ گرہ جاتا ہے اور ایک راستہ مردان اور ہزارہ کے راستے کشمیر پہنچتا ہے۔ اور ایک راستہ اٹک اور ٹیکسلا اور راولپنڈی کے راستے درہ پیر پنجال سے ہوتے ہوئے کشمیر جاتا ہے اور ایک راستہ مظفر آباد کی راہ سے سری نگر کشمیر پہنچتا ہے۔ کشمیر سے ایک راستہ زانسکار کے راستے اور ایک راستہ اسکردو، خپلو اور اولڈنگ سے ہوتا ہوا لداخ کے دارالحکومت لیہ پہنچتا ہے اور ایک راستہ لیہ سے براستہ درہ مریم تبت پہنچتا ہے اور ایک راستہ ہندوستان سے ڈیرہ دون کی راہ سے تبت پہنچتا ہے۔ تبت سے کئی راستے چین میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ عمومی راستہ ہے جس میں سے بہت سے چھوٹے اور بڑے راستے نکلتے ہیں اور یہی راستہ شاہراہ ریشم کہلاتا ہے۔ (جاری)

بقیہ از صفحہ ۲۰

نقل کیا جو ان الفاظ پر مبنی تھا۔

"کرنل ڈگلس کی وفات کی اطلاع پہنچی۔ ان کے خاندان کو دلی ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں۔ ان کا وہ دلیرانہ اور دیانتدارانہ رویہ جو انہوں نے اس مقدمہ میں اختیار کیا جو آج سے ساٹھ سال قبل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف ایک مسیحی پادری کی طرف سے جھوٹے طور پر کھڑا کیا گیا تھا۔ ہماری یاد میں ہمیشہ تازہ رہے گا۔"

یادِ رفتگان

سید عبدالرحیم شاہ صاحب آف بھگلہ

نوٹ:۔ سید عبدالرحیم شاہ صاحب کے بارہ میں ذکر خیر مرحوم کی خود نوشت ڈائری اور متفرق یادداشتوں پر مشتمل ہے جو ریاض محمود باجوہ صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر انصار اللہ نے ترتیب دیا ہے۔

ہزارہ کے سبزہ زاروں میں بھگلہ ایک معروف مقام ہے۔ جہاں خاندان سادات کے ایک چشم و چراغ سید عبدالرحیم شاہ صاحب احمدیت کی آغوش میں آئے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ آپ کا خاندان حضرت پیر بابا صاحب آف بونیر (سوات) کی نسل سے ہے۔ حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری رفیق بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۶۹-۱-۸) بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ (برہان ہدایت جلد دوم صفحہ ۴۱۴)

حالات و کوائف:۔ آپ اپنے والد صاحب سید حسین شاہ صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے۔ جلد ہی والد صاحب کی وفات ہو گئی تو آپ کی کفالت آپ کے دادا سید عمران شاہ صاحب نے سنبھال لی جو بڑے نیک فطرت انسان تھے اور امام مہدی کے ظہور کے منتظر تھے۔ دادا کی وفات ہوئی تو جلد ہی آپ کی والدہ صاحبہ بھی چل بسیں اور کفالت پہلے دادی صاحبہ نے اور ان کے بعد آپ کے چچا سید عبدالحمید شاہ صاحب نے سنبھالی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے علاوہ جابہ کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ کسی قدر عربی، اردو اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ گھریلو حالات نے آپ کو گھر سے نکل کر لاہور آنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے قرآن کریم مولانا غلام مرشد صاحب خطیب شاہی مسجد سے پڑھا۔ (از غیر مطبوعہ حالات سید عبدالرحیم شاہ صاحب)

محترم شاہ صاحب کا قرآن پاک سے بہت لگاؤ تھا۔ کئی سورتیں حفظ تھیں۔ ایک خواب کے مطابق پانچ (الٓرٰ) والی سورتیں سورہ یوسف، سورۃ یونس، سورۃ ہود، سورۃ ابراہیم اور سورۃ الحجر حفظ کر لیں۔ آپ نے علم طب سیکھنے کیلئے طبیہ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا جس کا اس وقت دو سالہ کورس تھا۔ (براہان ہدایت جلد دوم صفحہ ۴۱۴ تا ۴۱۵)

قبول احمدیت:۔ آپ کی طبیعت میں صوفیانہ رنگ تھا۔ شرک و بدعت اور رسومات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ گاؤں میں ہونے والی رسومات کے خلاف آواز اٹھاتے رہتے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک دوست جو مفتی کہلاتے تھے ان کی زبانی آپ نے احمدی عالم کی تعریف سنی تو آپ کو حیرت ہوئی کیونکہ مفتی صاحب بظاہر احمدیت کے

مخالف نظر آتے تھے۔ چنانچہ علماء کے طرز عمل اور قول و فعل کے تضاد نے آپ کو احمدیت کی طرف مائل کر دیا۔ مفتی صاحب کا واقعہ سن کر آپ کے چچا مشتعل ہو گئے اور مفتی کو بلا کر سخت برا بھلا کہا اور ان کو مجبور کیا کہ میرا بھتیجا کافر ہو گیا ہے اس پر کفر کا فتویٰ لگاؤ۔ مفتی صاحب نے چچا کی زبردستی کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ آپ ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں بھگلہ سے گیارہ میل دور برفانی علاقہ سے چلکر مانسہرہ آئے اور وہاں سے قادیان کیلئے روانہ ہو گئے۔ قادیان میں جلسہ سالانہ میں شرکت کی اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔ قادیان سے واپس آکر سخت مخالفت ہوئی۔ چچا کی مخالفت شدید تھی۔ ایک دن تو انہوں نے غصہ میں آکر آپ کو پتھر دے مارا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ رات سوئے تو خواب میں آپ کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (الانبیاء آیت ۳۸)

۱۹۳۱ء میں خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء جالندھری بھگلہ گئے جہاں مولانا غلام غوث ہزاروی سے مناظرہ ہوا۔ اس دوران مشتعل ہجوم نے حملہ کر دیا ایک لاٹھی مولانا ابوالعطاء کی بجائے شاہ صاحب کو لگی جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے اس واقعہ کا ذکر ماہنامہ الفرقان ۱۹۷۱ء میں بھی فرمایا ہے آپ محترم شاہ صاحب کے اس جذبہ قربانی سے بہت متاثر تھے۔ اور ہمیشہ آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتے رہے۔

آپ کا اخلاق و کردار:۔

آپ سورۃ یوسف کی بہت تلاوت فرماتے۔ آپ کے رشتہ دار ترمذی سید کہلاتے تھے وہ بھی آپ کی بہت مخالف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سید ہو کر احمدی کیوں ہو گئے ہو۔ آپ نے علم طب کو انسانیت کی خدمت کیلئے استعمال کیا۔ غرباء کو مفت دوائیاں دیتے۔ آپ کے مزاج میں سخاوت اور طبیعت میں نرمی تھی۔ جو کچھ میسر تھا انسانیت کی فلاح و بہبود اور خدمت میں لگا دیتے۔ عبادت ذوق و شوق سے کرتے۔ تہجد کا حتی الوسع التزام کرتے۔ مالی قربانیوں میں آپ باقاعدہ تھے۔ ہر تحریک میں حتی المقدور حصہ لیتے۔ تحریک وقف عارضی میں بھی خود شامل ہوتے رہے۔ اور جو احباب مرکز سلسلہ سے وقف عارضی پر بھگلہ آتے ان کے ساتھ مل کر بھی کام کرتے۔ وقف عارضی پر بھگلہ جانے والے بزرگان سلسلہ میں چوہدری انور حسین صاحب آف شیخوپورہ، ماسٹر عبدالرحیم صاحب راٹھور، مردان سے آدم خان صاحب، ربوہ سے پروفیسر نور الحق تنویر صاحب، قریشی فضل حق صاحب شامل ہیں۔ بھگلہ آنے والے مہمانوں کا آپ دل سے احترام کرتے اور ان کی مہمان نوازی کو سعادت خیال کرتے۔ ۱۹۵۶ء میں جب حضرت مصلح موعود...... ایبٹ آباد کے دورہ پر گئے تو آپ بالاکوٹ حضرت سید احمد بریلوی ؒ کے مزار پر دعا کرنے تشریف لے گئے۔ بالاکوٹ سے واپسی پر حضور محترم شاہ صاحب کی درخواست پر بھگلہ بھی تشریف لے گئے۔ آپ ایک گھنٹہ تک وہاں رونق افروز رہے۔ محترم شاہ صاحب اور آپ کے بیٹوں خصوصاً سید بشیر شاہ صاحب نے اس مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ دو تین فرلانگ تک سڑک کی مرمت کی۔ راستوں کو خوبصورت استقبالی بینروں سے سجایا اور دیگر دوستوں کے ساتھ ملکر سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہو کر حضرت صاحب کا شاندار استقبال کیا۔ حضور نے مختلف موضوعات پر انتہائی دلچسپ

اور ایمان افروز بات چیت کی اور بھگلہ کے محل و وقوع اور خوبصورتی سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا "یہ جگہ تو کلو وادی کی طرح ہے۔"

(الفضل ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵ و کتاب "سوانح حیات حضرت چوہدری غلام محمد خان صاحب صفحہ ۹۵ تا ۹۶ مولفہ ڈاکٹر غلام اللہ صاحب تمغہ قائد اعظم)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ بھی جب تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل تھے۔ ایک دفعہ ایبٹ آباد گئے۔ محترم شاہ صاحب نے اپنے بیٹے سید لقمان شاہ صاحب کی معرفت درخواست کی کہ آپ بھگلہ بھی تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ درخواست قبول فرماتے ہوئے بھگلہ تشریف لے گئے۔ آپ نے برلب سڑک اپنی دو کنال زمین پیش کی۔ حضرت مولانا قدرت اللہ سنوری صاحب بھی ایک دفعہ آپ کے بیٹے سید بشیر شاہ صاحب کی درخواست پر ۱۹۶۸ء کو بھگلہ تشریف لائے تھے۔

وفات اور اولاد:۔

آپ ۱۲ جولائی ۱۹۷۴ء بروز جمعۃ المبارک بھگلہ میں وفات پا گئے۔ آپ کی وفات سے ہفتہ عشرہ قبل آپ کی ایک پوتی عزیزہ بشریٰ بشیر صاحبہ بنت سید بشیر شاہ صاحب بھگلہ ہاؤس ربوہ نے ایک خواب دیکھا کہ "محترم شاہ صاحب ایک عظیم ہستی کے ساتھ آ رہے ہیں۔ معلوم ہوا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں خواب میں ہی شاہ صاحب نے بتایا کہ مجھے لینے آئے ہیں اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بوسہ دو چنانچہ پوتی نے ایسا ہی کیا۔" (برہان ہدایت جلد دوم صفحہ ۴۱۵)

اولاد:۔

آپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ سید بشیر شاہ صاحب، ۲۔ سید محمد صادق شاہ صاحب، (محترم سید محمود احمد شاہ صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ و مہتمم اطفال خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے خسر ہیں)۔ ۳۔ سید لقمان شاہ صاحب، ۴۔ سید عبدالرزاق شاہ صاحب، ۵۔ سید اقبال شاہ صاحب، ۶۔ سید نذیر شاہ صاحب، ۷۔ محترمہ خورشید بیگم صاحبہ اہلیہ سید سخاوت شاہ صاحب آف کراچی۔

نوٹ:۔ مذکورہ واقعات سید عبدالرحیم شاہ صاحب نے اپنے بیٹے سید نذیر شاہ صاحب کو لکھوائے تھے۔

قارئین کے خطوط

ماہنامہ انصاراللہ کے بارہ میں مفید تجاویز اور تنقید و تبصرہ پر مشتمل خطوط عموماً موصول ہوتے رہتے ہیں ادارہ ایسے خطوط کا خیر مقدم کرتا ہے اور رسالہ کی ترتیب میں ان مفید تجاویز کو مد نظر رکھتا ہے۔ "قارئین کے خطوط" کالم آپ کے تبصرہ اور تجاویز کے لئے مخصوص ہے۔ ادارہ حسب معمول قارئین کے تعاون کا صمیم قلب سے ممنون ہے۔ (ایڈیٹر)

نقد و نظر

"دخت کرام"

سیرت و سوانح حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دختر نیک اختر حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی سیرت و سوانح پر مشتمل زیر نظر کتاب "دخت کرام" مکرم سید سجاد احمد صاحب نے مرتب کی ہے جو 6x9 سائز کے کم و بیش 500 صفحات پر محیط ہے۔ بڑی عمدہ کتابت و طباعت اور سفید دبیز کاغذ کی وجہ سے یہ ایک دیدہ زیب اور معیاری مجموعہ ہے جسے بلاشبہ ظاہری و باطنی محاسن کا مرقع کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ظاہری خوبصورتی کے علاوہ اس کتاب کے مندرجات اور واقعات بڑے دلنشین انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ مزید برآں جماعت احمدیہ کے 9 اعلیٰ پایہ کے بزرگان کرام کی پرکشش تصاویر کے ساتھ ساتھ حضرت سیدہ ممدوحہ کی (البیت) سوئٹزرلینڈ کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب کی چار تصاویر بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس خوبصورت مجموعہ کی معنوی اور صوری خوبیوں کو یکجا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور واقعی اسے حضرت سیدہ موصوفہ کے شایان شان کہا جاسکتا ہے۔

پیش لفظ حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کا رقم فرمودہ ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت "دخت کرام" کا مختصر تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"...... آپ کی زندگی نمونہ ہے آج کل کی خواتین اور بچیوں کیلئے...... اور ایک کامیاب شادی کا نمونہ ان کے گھر میں نظر آتا تھا۔ خدا کرے کہ اس قسم کا نمونہ ہماری آنے والی نسلوں میں بھی نظر آئے۔"

ابتدائیہ میں مرتب نے اس کتاب کی اشاعت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ہر انسان کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ وہ غیر معمولی اوصاف کے حامل اپنے عزیزوں، بڑی شخصیتوں اور اہل علم و فضل بزرگوں اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاک بندوں کے اعلیٰ اخلاق اوصاف حمیدہ اور شمائل و فضائل کو حرز جان بنا کر رکھے۔ ان کے فرمودات پر عمل کرے اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی بھرپور سعی کرے۔ بلاشبہ برگزیدہ ہستیاں ساری عمر منارہ نور بن کر اہل دنیا کو روشنی پہنچاتی رہتی ہیں اور اپنے پاک اور نیک نمونہ سے دوسروں کیلئے ایک صاف اور سیدھی راہ متعین کر جاتی ہیں جن پر چلتے ہوئے انسان دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔...... پھر بزرگ ہستیوں کے ذکر خیر اور ان کی سوانح عمری بیان کرنے سے یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ زیادہ

سے زیادہ ان کی زندگی کے حالات لوگوں کے سامنے آئیں اور ہر پہلو سے ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا جائے تاکہ ان قابل قدر ہستیوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم ہوں جن سے جماعت کے ان کم سن افراد اور آئندہ آنے والی نسلوں کی تشنگی معلومات فرو ہوں۔"

مرتب کتاب ہذا مکرم سید سجاد احمد صاحب یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں حضرت سیدہ موصوفہ کی ۸۳ سالہ زندگی کا تفصیلی جائزہ لے کر ۱۲۱ عنوانات کے تحت ان کے حالات زندگی اور سیرت و سوانح سے متعلق سیر حاصل معلومات مہیا کی ہیں۔ اور بھرپور سعی کی ہے کہ آپ کی زندگی کے سارے پہلو سامنے آ جائیں اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے۔ آپ کی سیرت و کردار، عادات و خصائل، عبادت و ریاضت تعلق باللہ غرضیکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ہر پہلو کا دلنشین انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات، حضرت سیدہ موصوفہ کے عظیم باوقار شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان...... ، آپ کی اولاد، عزیز و اقارب اور ملنے جلنے والوں کے تاثرات شامل کئے گئے ہیں۔ بعض تحریریں ایسے افراد کی بھی ہیں جن پر حضرت موصوفہ کے احسانات ہیں اور ان میں حضرت سیدہ کی شفقت اور حسن سلوک کی جھلک نظر آتی ہے۔ پھر خدمات بجالانے والے بعض افراد کے تاثرات بھی ہیں جو آپ کی شفقت و عنایت کا مورد رہے۔ حضرت سیدہ کے بعض خطوط بھی شامل ہیں جو آپ نے بعض عزیزوں اور متعلقین کو لکھے جن سے آپ کی سیرت کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب آپ کے شمائل حسنہ کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جسے پڑھ کر اس برگزیدہ شخصیت کا عکس اور بولتا چالتا تصور قاری کے ذہن میں مستحضر ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسا گنجینہ علم و معرفت ہے جو ہر قاری کے قلب و ذہن کو معطر و منور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ "دخت کرام" کا مطالعہ ہر قاری کیلئے یقیناً مفید اور نافع ثابت ہوگا۔ نئی نسل کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ خصوصاً طبقہ نسواں کیلئے یہ کتاب ان کی تعلیم و تربیت میں مشعل راہ ثابت ہوگی اور ان کے ایمان و ایقان کو جلا بخشے گی۔ کتاب کے حصول کے لئے مکرم سید سجاد احمد صاحب ۲/۱۵ دارالرحمت شرقی ربوہ سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ (ادارہ)

بیا اے طلبگار صدق و صواب بخواں از سرخوض و فکر ایں کتاب
گرت برکتابم فتند یک نگاہ بدانی کہ تا جنت ایں ست راہ
مگر شرط انصاف و حق پروریست کہ انصاف مفتاح دانشوریست

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ از براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ۸۳)

حفظان صحت میں سیر اور ورزش کی اہمیت

(عبدالجلیل صادق قائد ذہانت و صحت جسمانی)

"پرہیز علاج سے بہتر ہے" یہ مقولہ تو سب لوگوں نے سن رکھا ہے لیکن صحت کی قدر اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو کوئی مرض لاحق ہوتا ہے۔ صحت قائم رکھنے کیلئے سب سے ضروری چیز افراط و تفریط سے بچنا ہے۔ مثلاً بہت زیادہ کھالینا اور سارا دن آرام کرنا اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ ضرورت سے کم کھانے کو ملنا اور سارا دن کام پر جتے رہنا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق صحت محض اس بات کا ہی نام نہیں کہ کوئی بیماری یا معذوری لاحق نہ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ آدمی ذہنی طور پر بھی مطمئن اور آسودہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ سماجی طور پر بھی بہتر ہو یعنی اس کے تعلقات گھر والوں ہمسایوں اور محلے والوں سے خوشگوار ہوں اور وہ ہر قسم کی ذہنی تفکرات سے آزاد ہو۔

افراتفری اور کشاکش کے موجودہ دور میں جبکہ لوگوں کے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے اور ورزش کی طرف سے عموماً غفلت دیکھنے میں آرہی ہے۔ حالانکہ جسم کو صحت مند رکھنے کیلئے ورزش بہت ہی ضروری ہے ہمارا ایک طبقہ دن بدن آرام طلب اور کاہل ہوتا جارہا ہے اور ہاتھ پاؤں ہلانے کو معیوب اور عار سمجھتا ہے۔ حالانکہ خوراک بہترین کھاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو تمام وہ بیماریاں جو کہ بسیارخوری کی وجہ سے ہو سکتی ہیں چنانچہ معدہ کی تکلیف ذیابیطس، بلڈ پریشر اور دل کی مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق ایک جوان شخص کو کم از کم چار میل گرمیوں میں اور چھ میل سردیوں میں پیدل ضرور چلنا چاہئے اور اگر کوئی پیدل چلنے کیلئے اتنا وقت نہ نکال سکے تو اسے چاہئے کہ کسی نہ کسی ورزش کے ذریعے اس کمی کو پورا کرے۔ ورنہ صحت برقرار نہ رہے گی اور وہ مختلف بیماریوں میں گھر کر اپنی زندگی اپنے ہاتھوں اجیرن بنا لے گا۔

اسی طرح چالیس سال سے زائد کیلئے ضروری ہے کہ وہ روزانہ دو سے تین میل تک پیدل سیر کرے اور حسب استطاعت ہلکی پھلکی ورزش سے کام لے دنیا میں لمبی عمریں ہمیشہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جو کہ ورزش اور پیدل چلنے کے عادی ہوں۔ کھلی فضاء میں رہتے ہوں۔ سادہ غذا کھاتے ہوں جس میں گوشت کم اور سبزیاں زیادہ ہوں۔ پریشان حالی اور تفکرات سے پرہیز کرتے ہوں پریشانیوں سے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالتے ہوں۔ اور تصنع سے پاک زندگی

گزارتے ہوں۔

ورزش وہ اچھی ہوتی ہے۔ جو مستقل اور مسلسل ساری عمر کی جا سکے۔ یہ درست ہے کہ سخت ورزش پٹھوں کو مضبوط بنانے، جسم کو سڈول بنانے اور وزن بڑھانے کیلئے مفید ہے۔ لیکن سخت ورزش چالیس سال کے بعد ادھیڑ عمر یا بڑھاپے میں کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لئے زیادہ تر لوگ چالیس سال تک پہنچ کر ورزش چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی صحت یکدم گرنے لگتی ہے اس لئے صحت کو برقرار رکھنے کیلئے مفید ترین ورزش پیدل سیر ہے۔ جو کہ اگر ہو سکے تو صبح سویرے ناشتے سے قبل یا رات کو کھانے کے بعد کرنی چاہئے۔ اگر وقت کم ہو تو گھر پر ہی ہلکی پھلکی ورزش کی جا سکتی ہے جو دس سے پندرہ فٹ کیلئے جاگنگ کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ ورزش کے دوران لمبے لمبے سانس لینا پھیپھڑوں کیلئے بھی مفید ہے۔ اس سے زیادہ مقدار میں آکسیجن خون میں شامل ہوتی ہے۔

ورزش کے بعد یا سارا دن کام کاج کے بعد آرام مناسب حد تک کرنا نہائیت ضروری ہے۔ اچھی طرح کام کرنے کے بعد چھ سے آٹھ گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔ اس سے جسم اور ذہن کو آرام ملتا ہے اور کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جاتی ہے اور انسان پھر سے نئے دن کا آغاز بھرپور طریقے سے کر سکتا ہے۔ رات کو جلد سونا اور صبح سویرے اٹھ جانا صحت کیلئے بہت مفید ہے۔

حضرت المصلح الموعود........ تحریک جدید کے متعلق فرماتے ہیں

"میرے ذہن میں یہ تحریک بالکل نہیں تھی۔ اچانک میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی میں بالکل خالی الذھن تھا بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ سکیم میرے دل پر نازل کی اور میں نے اسے جماعت کے سامنے پیش کر دیا۔ پس یہ میری تحریک نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تحریک ہے۔" (خطبہ جمعہ 27 نومبر 1942ء)

(مرسلہ قائد صاحب، تحریک جدید)

☆ ☆ ☆

"پھول کی خوبی اور لطافت تب ہی ظاہر ہوتی ہے کہ جب خار بھی اس کے پہلو میں ہو۔"

(براہین احمدیہ حصہ دوم روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۸۷)

کلام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ ربّ العالمین
قُرب اِتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

دوستی بھی ہے عجب جس سے ہوں آخر دوستی
آملی اُلفت سے اُلفت ہو کے دو دل پر سوار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

اس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے
کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائے گا زر بے شمار

تیر تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو! نہ ہونا سُست اِس میں زینہار

ہے یہی اِک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار

اِس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل
اِس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار

وہ کتابِ پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے
وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار

(انتخاب از منظوم کلام "اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار"
براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱)

Monthly **Ansarullah** Rabwah

EDITOR: NASRULLAH KHAN NASIR

Regd. No. CPL-92

April 1998

پاکیزگیٔ نفس کا ذریعہ

"یہ اُمید مت رکھو کہ کوئی اَور منصوبہ انسانی نفس کو پاک کر سکے جس طرح تاریکی کو صرف روشنی ہی دُور کرتی ہے اسی طرح گناہ کی تاریکی کا علاج فقط وہ تجلّیاتِ الٰہیہ قولی و فعلی ہیں جو معجزانہ رنگ میں پُرزور شعاعوں کے ساتھ خدا کی طرف سے کسی سعید دل پر نازل ہوتی ہیں اور اُس کو دکھا دیتی ہیں کہ خدا ہے اور تمام شکوک کی غلاظت کو دُور کر دیتی ہیں اور تسلّی اور اطمینان بخشتی ہیں۔ پس اُس طاقت بالا کی زبردست کشش سے وہ سعید آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے اس کے سوا جس قدر اَور علاج پیش کئے جاتے ہیں سب فضول بناوٹ ہے۔ ہاں کامل طور پر پاک ہونے کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ پُردرد دعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے اُس کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایسی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے جو گریہ اور بُکا اور صدق وصفا اور دردِ دل سے پُر ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ بچۂ شیر خوار اگرچہ اپنی ماں کو خوب شناخت کرتا ہے اور اُس سے محبّت بھی رکھتا ہے اور ماں بھی اُس سے محبّت رکھتی ہے مگر پھر بھی ماں کا دُودھ اُترنے کے لئے شیر خوار بچّوں کا رونا بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ ایک طرف بچّہ دردناک طور پر بھوک سے روتا ہے اور دوسری طرف اُس کے رونے کا ماں کے دل پر اثر پڑتا ہے اور دُودھ اُترتا ہے۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے سامنے ہر ایک طالب کو اپنی گریہ وزاری سے اپنی رُوحانی بھوک پیاس کا ثبوت دینا چاہیئے تا وہ رُوحانی دُودھ اُترے اور اُسے سیراب کرے۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۳)